

188565

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188565

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۳۶۲ و Accession No. ۱۷۴-۷

Author گنیت ریگ-وگ

Title کشور پاکستان

This book should be returned on or before the date last marked below.

کستور باگانڈھی

گنپت رائے بی۔ ایے۔ نیشنل

پبلشرز
لاجپت رائے اینڈ سنسز تاجران کتب
لاہور

قیمت ۴

جنوری ۱۹۴۶ء

بار اول

فہرست مضامین

| | |
|----|---|
| ۵ | کتور بامیری استاد تھیں۔ ہمانماکانہی کی طرف سے |
| ۷ | تمہید - رامیشوری نہرو صاحبہ |
| ۱۱ | بچپن |
| ۱۳ | شادی |
| ۲۶ | ایک نئی زندگی کا پیش خیمہ |
| ۳۶ | گھر میں ستیہ گرہ |
| ۴۹ | جنوبی افریقہ میں زندگی |
| ۶۹ | ہندوستان کی طرف واپسی |
| ۷۹ | واقعات سے پُر دس سال |
| ۹۰ | نمک کے متعلق ستیہ گرہ |

- ۹۸ جیل کی زندگی - ۱
- ۱۰۹ جیل کی زندگی - ۲
- ۱۲۵ ہری جن سدھار - ۱
- ۱۳۱ ہری جن سدھار - ۲
- ۱۳۷ براجکوٹ میں ستیہ گرو شہادت نامہ
- ۱۴۴ سوانہ رگستور باکی موت کا درجہ رکھتی ہے
- ۱۵۹ خط و کتابت اور چند انکشافات

مہاتما گاندھی کی طرف سے

کتور یا میری استاد تھیں

اگرچہ کتور یا مرنے سے تکلیف سے رہائی پا گئی اور اچھا ہوا مگر میرے لئے جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت ہے۔ ہماری جوڑی ایک غیر معمولی جوڑی تھی۔ ۱۹۰۶ء میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کی رضامندی سے اور بڑی آزمائشوں کے بعد علیحدہ رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری یگانگت پہلے سے کبھی زیادہ ہوئی۔ گویا ہم دونوں ایک ہی ہو گئے۔ میری کہنے کے بغیر ہی کتور یا میرے لئے سب کچھ کرتی اور صحیح معنوں میں میری اردھ انگلی بن گئی۔ وہ مرضی کی بڑی مضبوط تھی اور پہلے پہل میں اس کی اس صفت کو ضد سے تعبیر کیا کرتا تھا۔ مگر مضبوط دل ہونے کی وجہ سے ہی وہ عدم تشدد اور عدم تعاون کے عمل میں مجھ سے سبقت لے گئی۔ گویا میری استاد بن گئی۔ ان اصولوں کا عمل پہلے

پہلے میرے خاندان میں شروع ہوا جب میں نے اُن ہی اصولوں کا
 ۱۹۰۷ء میں ملک کی سیاست پر اطلاق کیا تو وہ ستیہ گرہ کے پر معنی الفاظ
 میں تبدیل ہو گئے۔ جنوبی افریقہ میں جب ہندوستانی جیل میں جانے لگے تو
 کستوریا نے ستیہ گرہ کیا اور جیل میں گئی اور مجھ سے زیادہ تکلیف برداشت کی
 اگرچہ وہ کئی بار جیل جا چکی تھی مگر اب کے اس نے قید کو پسند نہ کیا
 باوجودیکہ سب طرح کا آرام بھی تھا میری اور میرے ساتھیوں کے قید ہو نیسے اور ساتھ
 اُسکے بھی قید ہو جانے سے اُسے بہت صدمہ ہوا اور اس کی بڑی دل شکنی ہوئی
 میں نے اُسے کہا تھا کہ حکومت کو مجھ پر پورا اعتماد ہے اور اگر میں نے
 خود قید ہونا نہ چاہا تو حکومت مداخلت نہیں کرے گی۔ میں نے اپنے
 رویہ کو بدلا اور قید ہو گیا۔ اس سے اُسے بڑا صدمہ ہوا اور اُسے
 بدصہمی کی شکایت ہو گئی۔ ڈاکٹر سوشیلانیر نے جو خود قید میں تھی
 علاج کیا اور کستوریا اچھی ہو گئی۔ بعد میں وہ بھی اسی کمپ میں لائی
 گئی۔ جہاں میں قید تھا۔ اس وقت اُسے کچھ حوصلہ سا ہو گیا اور شکایت
 جاتی رہی۔ مگر دل شکنی کیسے جاتی۔ آہستہ آہستہ جسم گھلتا گیا اور وہ چل
 بسی۔

(گاندھی جی کا خط لارڈ ریل کے نام)

تمہید

کسی شخص کی سوانح حیات سے اس کی زندگی کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔ بعض دفعہ بیان میں مبالغہ ہو جاتا ہے اور بعض حالتوں میں صفات کا پورا نقشہ سامنے نہیں آتا۔ کستوربا کی زندگی موخر الذکر زمرہ میں شامل کی جا سکتی ہے۔ مورخ کو بڑی مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔ بہت لوگوں نے ان کی زندگی کا حال لکھا ہے اور بہت ابھی لکھیں گے۔ مگر ایسی سادہ اور انکساری اور انبیار سے پُر زندگی کو پوری طرح سے بیان کرنا نہایت ہی مشکل ہو کر تاہم کستوربا صبر و اداری اور محبت کا نمونہ تھیں۔ مصنف نے اس کتاب میں ان کی خوبصورت زندگی کو بڑی خوبی سے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

میں کستوربا سے ملی ہوں۔ میں گاندھی جی کے آشرم میں رہا کرتی تھی اور ان سے اکثر ملتی تھی، سیواگرام میں ان کا ایک صاحبہ جھونپڑی میں رہنا اور سفید کھدر کی پوشاک پہننا اور چرخہ کا تانا اور ریمانن کا پڑھنا مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔ دوست اور رشتہ دار اکثر درشن کے لئے آتے تھے۔ سیواگرام کستوربا کے کے بغیر اچھا نہ لگتا تھا۔ اب ان کے مرجانے کے بعد آشرم اور بھی سونا پڑ گیا ہے۔

میں ان کی بڑی مداح ہوں، کیونکہ مجھے، روحانی صفات بڑی پسندیدہ ہیں۔ کستوربا کسی ڈرامے کی اداکار نہ تھیں، نہ ہی بڑی مصنف یا تقریر کرنے میں ماہر تھیں، تاکہ ہزاروں پر اثر ڈالتیں؟ وہ تو گاندھی جی کے نقش قدم پر چلتی تھیں اور انہوں نے اپنی تمام زندگی اور طاقت گاندھی جی کے لئے خرچ کر دی تھی۔ انھیں اس سے کوئی مطلب نہ تھا کہ گاندھی جی کیا کہتے ہیں، نہ ہی انہوں نے ان کی تحریک کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے لئے گاندھی جی کا کہنا ہی کافی تھا۔ اور سخانی اور آزادی کی خاطر جو گاندھی جی کہتے وہ سیتا کی طرح قبول کر لیتی تھیں، ان کے ساتھ ہی وہ بھی کسی دفعہ جیل میں گئیں، رضامندی سے غربت میں ان کا ساتھ دیا، اور سختیاں اور مصائب خوشی سے سہے۔ جب تک جسم میں طاقت تھی انہوں نے گاندھی جی

کی خدمت کی اور وہ بھی بڑی خوشی سے۔ گاندھی جی کے لئے ساڈا کھانا تیار کرنا اور پھلوں کو صاف چھیل کر انھیں دینا اور صاف اور چمکتے برتنوں میں ڈالنا یہ ان ہی کا کام تھا۔ لکڑی اور پیتل کے برتن ایسے صاف ہوتے جیسے چاندی کے ہوں۔ دودھ اور گرم پانی اتنا گرم دیتی جتنا کہ گاندھی جی پسند کرتے۔ میں نے یہ سب کچھ انھیں کرتے دیکھا اور ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہی ان کی بڑائی کا راز مضمر ہے۔ وہ صمیم معنوں میں ایک ہنردیو بیوی تھیں جنہوں نے خاوند کے لئے اپنے آپ کو قربان کر رکھا تھا۔

باوجود ان باتوں کے وہ بڑی ہی مستقل مزاج عورت تھیں اور استقلال کی وجہ سے یہ سب کچھ ان سے بن پڑا۔ گاندھی جی خود فرماتے ہیں کہ ان کی بیوی بڑی مستقل مزاج تھیں اور اوائل عمر میں ایسی ضد کر بیٹھتی تھیں کہ گاندھی جی مشکل میں پڑ جاتے تھے البتہ بڑے ہونے پر انہوں نے اپنی مرضی کو گاندھی جی کی مرضی کے تحت میں ڈال دیا اور وہ بھی بڑی خوش اسلوبی اور متانت سے۔

ایسا کرنے سے کستوربانے صرف گاندھی جی کی خدمت نہ کی بلکہ سارے ملک کی خدمت کی۔ آپ ملک کی سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتی رہیں اور مصائب برداشت کئے اور بڑی خاموشی

سے ملک کی خاطر دیکھو ہے۔ کسی اور عورت نے ایسا نہیں کیا۔ آخر
 عمر کستور باکی جیل میں گزری اور ان کی موت بھی جیل میں ہوئی۔
 کستور با نہایت ہی نیک اور سنجیدہ عورت تھیں اور بڑی
 شخصیت تھیں انہوں نے اپنی زندگی اپنے ملک کی خدمت میں گزار
 دی اور اُسے ملک کے لئے وقف کیا۔ ان کی صفات اور خدمات
 اور استقلال آنے والی نسلوں کے لئے سرمشق ہوں گی اور ان
 کا نام ہمیشہ تک زندہ رہے گا۔ وہ میری بہن ہمارے لئے اور
 سارے ہندوستان کے لئے ماں کی طرح تھیں اور لوگ ان
 کو اسی حیثیت میں یاد کریں گے اور ان کی عزت کریں گے۔ آؤ
 ہم بھی اُس کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی کو بہتر بنائیں۔

رامیشوری نہرو (سری نگر)

(۱) بچپن

ماہ اپریل ۱۸۶۹ء بمقام پور بندر جو راجکوٹ ریاست کا دار الحکومت ہے شری کیت وراج کنور با کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام کستور بارکھا گیا۔ گاندھی جی کا جنم اسی سال اکتوبر کے مہینے میں ہوا۔ کستور با کے اکلوتے بھائی شری یت مادھو داس گوگل داس جی کے بیان کے مطابق ان کی بہن گاندھی جی سے تین یا چار مہینے چھوٹی تھی۔ بہن اتا گاندھی جی اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں کہ ان کی بیوی ان کی ہم عمر تھی۔ یہ بات ذکر کرنے کے قابل ہے کہ دونوں کا جنم ایک ہی سال ہوا اور وہ بھی ایک ہی جگہ یعنی پور بندر میں۔

کستور با کے والد شری یت گوگل داس ماکن جی سوداگر تھے اور گندم روٹی اور کپڑے کی دوکان کرتے تھے۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ

اُن کی صاحبزادی اپنی زندگی میں ہی اپنے وطن کی آزادی کی جنگ میں
 نمایاں حصہ لے گی۔ نہ ہی کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ کستور با ایک دن
 مہاتما گاندھی جی کی جو مشاہیر عالم میں سے ہوں گے بیوی بنے گی۔
 کستور با چونکہ سب سے بڑی تھیں سارا کنبہ اُن سے پیار کرتا
 تھا اور وہ ناز و نعمت میں پلی تھیں، اس زمانے میں لوگ لڑکیوں
 کو پڑھاتے لکھاتے نہ تھے۔ اب عیسیٰ بات نہ تھی۔ کستور با صرف بچراتی جاتی
 تھیں اور وہ بھی مشکل سے پڑھ سکتی تھیں۔ والدین نے بھی اس بات
 کا خیال نہ کیا اور لڑکی نے بھی پرواہ نہ کی۔ کستور با اگرچہ شریلی
 لڑکی تھی مگر اپنی سہیلیوں کے مقابلہ خود پسند واقعہ ہوئی تھی۔

(۲)

شادی

کستور با بھی سات سال کی تھیں جب اُن کی مومن داس گاندھی سے منگنی ہو گئی اور تیرہ برس کی تھیں کہ شادی بھی کر دی تھی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ گاندھی جی کی منگنی دو بار پہلے بھی ہو چکی تھی مگر دونوں لڑکیاں مریجلی تھیں، کستور با کو شادی کے وقت یہ معلوم نہ تھا کہ انھیں کن مصائب کا آنے والی زندگی میں سامنا کرنا ہو گا۔

شادی کی رسم پور بندر میں ۱۸۸۲ء میں ادا کی گئی۔ گاندھی جی کے والد شری پت کر م چند جی ملازمت کے سلسلہ میں راجکوٹ چلے گئے تھے اور شادی کے وقت پور بندر واپس آئے اور ناندان کے سب بگ بھی آئے۔ شادی کی رسم بڑی دھوم دھام سے ادا

کی گئی۔

جو ہانس مرگ کے ایک پادری جوزف جے ڈوک صاحب جو گاندھی جی سے جنوبی افریقہ میں ملے تھے لکھتے ہیں۔

”شادی والے دن بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ گاندھی جی اور ان کے دو اور بھائیوں کی شادی ایک ہی دن ہوئی۔ بہت سے رشتہ دار موجود تھے۔ مکان پھولوں سے بھر گیا۔ اوڈوٹھے اور ڈھنیں سب بچے ہی تھے۔ ایک طرف برہمنوں کا منتر پڑھنا اور دوسری طرف کوڑیوں سے کھیلنا بڑا مزادے رہا تھا ہندستان میں ڈھل اور ڈھن اکثر شادی ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے، اور بعض دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب ڈھن گھونگٹ اٹھاتی ہے تو ڈھل بد صورت ڈھن کو دیکھ کر گھبراتا ہے، اگر اس شادی میں یہ رسم ادا نہ کی گئی۔ میرا خیال ہے کہ والدین نے فراخ دلی سے کام لیا اور یہ رسم ادا نہ ہونے پائی۔ شادی سے پہلے ہی ڈھن راجکوٹ لے جانی گئی اور گاندھی جی اور ان کی ہونے والی بیوی گھر میں کھیل کرتے تھے۔“

مہاتما گاندھی لکھتے ہیں

”مجھے آج تک یاد ہے کہ ہم شادی والے دن کس طرح جو کی

پر دونو بیٹھے اور کس طرح آگ کے گرمات دفعہ گھومتے اور کس طرح ہم نے ایک دوسرے کے تہہ بن ٹیھا کنار ڈالا۔ اور پھر کس طرح دونو اکٹھے رہنے لگے۔ پہلی رات تھی اور ہم دونو بچے ہی تھے گویا ہم دونو زندگی کے سمندر میں مصوبیت کے عالم میں کود پڑے۔ میرے بھائی کی بیوی نے مجھے پہلی رات کے متعلق کچھ اشارے دئے تھے۔ مجھے معلوم نہیں میری بیوی کو کس نے سبق پڑھایا۔ میں نے کبھی اُس سے اس بات کے متعلق پوچھا نہیں نہ ہی پوچھنا چاہتا ہوں مگر معلوم رہے کہ ہم دونو گھبراتے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے شرم کرتے تھے میں نہیں جانتا تھا کہ کیا کہوں اور کس طرح سے بات شروع کروں جو کچھ بھائی کی بیوی نے سکھلایا تھا وہ مجھے بھول گیا۔ ایسے معاملے میں کوئی کسی کو کیا سکھلا سکتا ہے۔ پچھلے جنم کے سنسکار ایسے زور دار ہوتے ہیں کہ سکھاوٹ بے کار ہوتی ہے۔ آخر بات چل پڑی آپس میں بات چیت ہونے لگی۔ ہم دونو ہم عمر تو تھے ہی۔ مجھے خاوند ہونے کی حیثیت میں اختیار ات اپنے ہاتھ میں لینے پڑے لے ایلاستین اپنی کتاب میں لکھتی ہیں۔

” مہاتما گاندھی اور اُن کی اہلیہ اس زمانہ کے سوشل ماحول

سے تعلق رکھتے تھے جب کہ چھوٹی عمر کی شادی اور پردہ اور ذات پات کا امتیاز ہندوستان میں معمول تھا۔ شادی ایک قسم کا نیا تجربہ تھا، اور گاندھی جی خاوند ہونے کی حیثیت میں اپنے فرائض منصبی کو پورے طور پر نبھانے لگے، مگر خود کم سن تھے اور چاہتے تھے کہ بیوی وفادار ہو۔ چنانچہ اُن کے دل میں حسد کی آگ بھڑکی اور مزاج میں شک پیدا ہو گیا۔ بیوی ان باتوں پر حیران لگی، وہ بھی سینہ میں دل رکھتی تھی اور اُسے اپنے اوپر اعتماد تھا۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ محبت کے راستے میں کانٹے ہوتے ہیں، کتو یا کے لئے یہ ضرب المثل درست ثابت ہوئی۔ گاندھی جی اپنی بیوی کو دل سے پیار کرتے تھے، جتنا زیادہ پیار کرتے اتنا ہی چاہتے تھے کہ اُن کی بیوی صحیح معنوں میں آدرش بیوی ہو۔ چنانچہ آپس میں کھٹ پھٹ ہو گئی، اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اس عنوان سے یعنی ”خاوند کا فریضہ“ لکھتے

ہیں

چند کتابیں جن میں خاوند اور بیوی کی محبت کفایت شعاری کم سن کی شادی اور دیگر مضامین کا ذکر تھا میری نظر سے گذریں۔ بیوی کے ساتھ وفاداری کا خیال ہمیشہ کے لئے میرے دل پر نقش ہو گیا۔

مجھے سچائی سے بڑا پیار تھا۔ بھلا میں کیسے اپنی بیوی سے بیوفائی کر سکتا تھا؟ اور چھوٹی عمر میں تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا، مگر ایسے خیال نہایت عجیب اچھا نہ ہوا۔ اگر مجھے بیوی سے وفاداری کرنی تھی تو بیوی کے لئے بھی لازمی تھا کہ وہ بھی وفادار رہے۔ میرے دل میں حسد پیدا ہوا۔ خاوند کی حیثیت میں میں نے یہ سمجھا کہ میرا حق ہے کہ میری بیوی میرا کہنا مانے میں ضرورت سے زیادہ اس حق کو جتانے لگا۔ مجھے اپنی بیوی کی وفاداری پر کوئی شک نہ تھا۔ مگر حسد کی آگ عقل کے پردوں کو جلا دیتی ہے۔ میں اپنی بیوی کی نگاہ داری کرنے لگ گیا۔ بغیر اجازت اُسے باہر نہ جانے دیتا۔ اس پر مجھ میں اور بیوی میں سخت جھگڑا ہو گیا۔ وہ سمجھنے لگی کہ اُسے قید کر دیا گیا ہے۔ بھلا وہ کیسے ایسی سختی برداشت کرتی؟ چنانچہ وہ بغیر اجازت جب اس کا جی چاہا اور جہاں جی چاہا چلا۔ یہ جتنا میں کہنا کہ مت جاؤ اتنا ہی وہ زیادہ باہر جاتی۔ مجھے بھی غصہ آنے لگا۔ آپس میں بول چال بند ہو گئی۔ کسٹور با بھی بچوں کی طرح ضد کرنے لگ گئی اس کے دل میں کوئی فریب نہ تھا۔ بھلا متدبر نہ جانے سے یا اپنی سہیلیوں کو ملنے سے وہ کیسے رک سکتی تھی؟ اگر مجھے اُسے روکنے کا حق حاصل تھا تو اُسے بھی حق تھا کہ مجھے روکتی۔ آج تو میں صاف طور پر اس معاملہ کو دیکھ رہا ہوں، اُن دنوں مجھے خاوند بن کر دکھانا تھا۔ البتہ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ہماری زندگی بچا

ہوگی تھی۔ میں محبت کی وجہ سے اپنی بیوی پر سختی کرتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ آدرش بیوی بنے۔ وہ پاک دامن ہو۔ نئی نئی باتیں سیکھے اور میری زندگی اور خیالات کا اُس پر بھی اثر پڑے۔

کستور باکیا خیال کرتی تھی مجھے معلوم نہیں۔ وہ اُن پرٹھ تھی۔ اسکا مزاج بالکل سادہ اور وہ بڑی خود مختار اور متقل مزاج تھی اور میرے ساتھ بہت کم بات چیت کرتی تھی۔ وہ انجان تھی اور اُسے مطالعہ کا بالکل شوق نہ تھا۔ میرے سر پر ایک ہی دُھن سوار تھی۔ مجھے تو اپنی بیوی سے بے حد پیار تھا اور میں چاہتا تھا کہ وہ بھی ویسا ہی پیار مجھ سے کرنے۔ اگر ایسا بھی نہ ہو تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ میری طرف سے کم از کم محبت بہت یاد تھی۔ شادی کے بعد گاندھی جی راجکوٹ میں پڑھنے کے لئے اپنے والد کے پاس چلے گئے۔ کستور با اپنے کسرال میں تھیں، گاندھی جی کو اُن سے کس قدر محبت تھی ذیل کے بیان سے ظاہر ہے۔

”مجھے کہنا پڑتا ہے کہ مجھے اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ جب میں سکول جاتا تو مجھے اُس کا خیال رہتا۔ کب رات ہواؤں میں اُس کو ملوں۔ یہ ہی فکر ہوتا۔ جدائی ناقابل برداشت تھی رات دیر تک بے معنی گفتگو ہوتی رہتی اور وہ عیساری جاگتی

رہتی۔ اگر ایسی محبت ہوتے ہوتے میں اپنے فرض کو بھی نہ سمجھتا تو نہ معلوم کیا ہوتا۔ یا تو میں بیمار ہو جاتا یا جلدی مر جاتا یا میری زندگی میرے لئے وبال جان ہو جاتی۔ مگر مجھے سب کام صبح اٹھ کر وقت مقررہ پر کرنے پڑتے اور میں کسی کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔

شادی کے بعد گاندھی جی نے بیوی کو پڑھانے لکھانے کی بہت کوشش کی، چونکہ اُن کو بہت مشغولیت تھی اور وقت نہ ملتا تھا انہوں نے استاد رکھ دیئے، مگر اس کام میں گاندھی جی کو کامیابی نہ ہوئی اور نا کامیاب کیونکر ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

”میں اپنے بھی کہہ چکا ہوں کہ کستور ما اُن پڑھ تھیں، میں انہیں لکھانا پڑھانا چاہتا تھا۔ مگر میں شہوت کے جذبے میں اسیر تھا، ایک تو اُن کی اپنی مرضی پڑھنے کی نہ تھی اور دوسرا میرے پاس رات کے سوا کوئی وقت نہ تھا۔ دن کے وقت بڑوں کی حاضری میں تو اُن سے ملاقات نہ ہوتی تھی۔ بات چیت کرنا تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اُن دنوں میں کاٹھیا دار میں پردے کی رسم تھی اور اب بھی ہے۔ مگر اتنی نہیں۔ یہ رسم بالکل فضول اور وحشیانہ تھی اس لئے ماحول باطل میرے برخلاف تھا۔ اس وجہ سے بھی کستور با کو لکھانے پڑھانے میں مجھے کامیابی نہ ہو سکی۔ اور جب مجھے ہوش آئی تو مجھے مصروفیت

بہت تھی۔ سیاسی کام سے مجھے فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ استادوں کے ذریعے پڑھانے میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتورا باب مشکل سے گجراتی سمجھ سکتی ہے اور سادہ خط لکھ لیتی ہے مجھے پورا یقین ہے کہ اگر میری محبت میں شہوت کا جذبہ ملا نہ ہوتا تو وہ آج بڑی پڑھی لکھی ہوتی۔ کیونکہ تب اُسے پڑھانی سے نفرت نہ ہوتی۔ جہاں سچی محبت ہوتی ہے، وہاں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ شادی کے پہلے پانچ سالوں میں (۳۱ برس کی عمر سے ۱۸ برس کی عمر تک) ہم دونوں کو تین سال اکٹھے رہے ہوں گے۔ چھ مہینے بھی گزرنے نہ پاتے تھے کہ میری بیوی کے والدین اُسے گھر بلا لیتے تھے۔ اُس وقت مجھے یہ بات بڑی لگتی تھی۔ مگر اسی میں ہمارا جباؤ ہو گیا۔“

کتورا بابی ۱۸ سال سے کم ہی ہوں گی مگر ان کی سمجھ اور مردم شناسی مجھ سے کہیں بڑھ کر تھی۔ جب کبھی وہ مجھ سے کہتی کہ آپ بُری صحبت میں مت جاؤ تو میں اس قدر مغرور تھا کہ پرواہ تک نہ کرتا۔ اگر میں اپنے رویہ کو نہ بدلتا تو مجھے بیوی سے بے وفائی کرنی پڑ جاتی۔

ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ کا ندھی لکھنے ہیں :-

میری بیوی کے ساتھ اختلاف کی وجہ میری ایک دوست کے

ساتھ دوستی تھی۔ مجھے اپنی بیوی کے ساتھ بے حد محبت تھی اور اس لئے مجھ میں حسد کا جذبہ تھا اور میرا دست مجھے بیوی کے برخلاف اُبھارتا رہتا تھا۔ مجھے وہ سچ کہتا ہوا معلوم ہوتا تھا جب وہ مجھے کچھ کہتا تو میں اپنی بیوی پر ناراض ہوتا اور سخت سُست بھی کہتا۔ میں غلطی پر تھا اور اس کا اقراری ہوں اور میں اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ہندو بیوی ہی ایسی سختی کو برداشت کر سکتی ہے۔ اسی لئے میرا خیال ہے کہ عورت میں بڑی بُردباری ہے۔ اگر کسی ملازم پر ہم شک کریں تو وہ ملازمت چھوڑ دیتا ہے اور اگر اپنے بیٹے پر شک کریں تو وہ گھر چھوڑ سکتا ہے۔ اور اسی طرح دوست پر شک ہو تو وہ دوستی ترک کر دیتا ہے۔ بیوی اگر خاوند پر شک کرے تو بچاری خاموش ہو جاتی ہے۔ اگر خاوند بیوی پر شک کرے تو وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ جائے تو کہاں جائے عدالت میں چارہ جوئی کرے تو طلاق نہیں ہو سکتا۔ قانوناً کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جس ستمی کا میں مرتکب ہوں وہ قابلِ معافی نہیں، میں نے حد سے زیادہ اپنی بیوی پر سختی کی تھی۔ البتہ جب میں نے اہنسا کے معنی پوری طرح سے سمجھ لئے تو میرے دل سے شک بالکل جاتا رہا۔ تو مجھے برمجھ پر یہ کی اصل حقیقت بھی سمجھ میں آگئی اور میں نے اس بات کا احساس کیا کہ بیوی اپنے خاوند کی غلام نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی ساتھی اور

مددگار بے اور اس کے دکھ سکھ میں شریک ہے۔ اور اُسے بھی خاندان کی طرح خود مختاری حاصل ہے۔ اب جب میں اُن دنوں کا خیال کرتا ہوں جب میں شک اور حسد میں مبتلا تھا تو مجھے اپنی بیوقوفی پر شرم آتی ہے۔ میں کیوں شہوت کے جذبے کا شکار ہوا۔ مجھے اپنے دوست پر اتنا اعتماد کرنے پر بھی بڑا افسوس ہو۔ کستور با بڑی سمجھ دار ہونے کے علاوہ بڑی دلیر تھیں۔ مثلاً چور بھوت اور سانپ وغیرہ سے بالکل نہ ڈرتی تھیں۔ مہاتما گاندھی اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں :-

”میں بزدل تھا۔ مجھے چوروں بھوتوں اور سانپوں سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ میں رات کو اندھیرے میں باہر نہ نکلتا تھا۔ مجھے اندھیرے میں بڑا ڈر لگتا تھا، اگر کمرے میں اندھیرا ہوتا تو مجھے نیند نہ آتی تھی اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف سے بھوت اندر آ رہے ہیں دوسری طرف سے چور اور تیسری طرف سے سانپ۔ میرے کمرے میں چراغ ہمیشہ جلتا ہی رہتا تھا۔ بھلا میں اپنی بیوی کو جو میرے پاس ہی سو رہی ہوتی تھی اور اچانک بھی ہو گئی تھی کس طرح سے بتاتا کہ مجھے ڈر لگتا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ میری بیوی مجھ سے زیادہ دلیر ہے اور میں دل ہی دل میں

شرمندہ تھا، وہ تو نہ سانپ سے ڈرتی تھی اور نہ ہی بھوتوں سے
اور اندھیرے میں بھی باہر نکل جاتی تھی۔“

۱۸۸۷ء کا سال دونوں کے لئے اچھا نہ تھا۔ گاندھی جی کے والد
کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے والد کی بڑی خدمت کی، کستور باکے گھر
بچہ پیدا ہوا اور بدھتی سے صرف تین چار دن زندہ رہا۔ بڑا ہی
ناقابل برداشت صدمہ تھا۔ اُس کا دل بالکل ٹوٹ گیا۔ مایوسی اور
صدمہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر کستور بانے ہندو ہوتے ہوئے اُسے
برداشت کیا

۱۸۸۶ء میں کستور باکے گھر دوسرا لڑکا پیدا ہوا اور وہ ابھی
مشکل سے دو سال کا ہو گا کہ گاندھی جی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے
لئے ولایت روانہ ہو گئے۔ ان دنوں بڑے گھرانوں کے ہندو ولایت
نہیں جایا کرتے تھے۔ مگر گاندھی جی کے خاندان کی بزرگ ماں اُن
کو ولایت بھیجنے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ مخالفت کی پرواہ نہ کرتی تھی
اگر فکرتھا تو اس بات کا کہ لڑکا کہیں ولایت جا کر بگڑ نہ جائے
جب گاندھی جی نے قسم کھا کر نیک رہنے کا وعدہ کیا تو وہ مان گئیں
وہ خود اس بات کے اقراری ہیں کہ ولایت میں جا کر وہ قسمیں اُن
کے کام آئیں۔ ایک تو وہاں بیوی کا خیال آتا رہا۔ چنانچہ جس عورت
نے اُن کا تعارف ایک نوجوان لڑکی سے کروایا اُس لڑکی کو گاندھی
جی نے صاف صاف لکھ دیا:-

”مجھے یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ میں آپ کی محبت کے بالکل قابل نہیں۔ جب میں آپ سے ملاقات کرنے گیا تو مجھے آپ سب صاف کہنا چاہیے تھا کہ میں شادی شدہ ہوں۔“

گاندھی جی نے ولایت جا کر لنڈن یونیورسٹی میں ایف، اے کا امتحان پاس کیا۔ تب وہ قانون کا امتحان دینے کے لئے

لنڈن میں داخل ہوئے اور ۱۸۹۱ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر گئے، دوسرے سال ہی وہ ولایت سے لوٹے اور منڈستان آگئے۔ آپ ابھی ولایت میں ہی تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ پڑالم خبر ان کو نہ دی گئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ گاندھی جی بھیرا نہ جائیں۔ اور ان کی پڑھائی میں ہرج واقع نہ ہو۔ جب وہ بمبئی پہنچے تو انھیں والدہ کی موت کی خبر دی گئی۔ کستوربا کے لئے یہ واقعہ اور بھی دل شکن تھا کیونکہ گاندھی جی کی والدہ صاحبہ ہر طرح سے ان کی رہنمائی کیا کرتی تھیں۔ گھر بھران کا دباؤ مانتا تھا اور دوسرے وہ دھارم خیالوں کی تھیں۔ جب گاندھی جی ولایت میں تھے تو کستوربا نے بہت سی باتیں اور خاص کر دھرم کی طرف متوجہ ہونا انھیں کی بدولت سیکھا تھا۔ گاندھی جی پہلے پہل بمبئی ہائی کورٹ میں بیرسٹری

کرنے لگے۔ مگر چھ ماہ تک کام کر کے چلے آئے۔ بیوی ساتھ نہ تھی۔ بیٹی میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی اور راجکوٹ واپس آگئے۔ وہاں البستہ کام خوب چلا۔ راجکوٹ میں گاندھی جی اور اُن کی بیوی اکٹھے رہے۔ مگر کبھی کبھی جھگڑا ہو ہی جاتا۔ چنانچہ وہاں کے متعلق گاندھی جی لکھتے

ہیں:۔

میرے اور میری بیوی کے تعلقات کچھ اچھے نہ تھے۔ اگرچہ میں ولایت بھی رہ کر واپس آیا، مگر حسد کا جذبہ بدستور رہا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر میں بگڑ بیٹھتا اور میرے دل کی حالت عجیب اضطراب کی تھی۔ میں نے تو فیصلہ کیا ہوا تھا کہ بیوی لکھنا پڑھنا سیکھے اور میں خود اس کو پڑھاؤں، مگر شہوت کا جذبہ رکاوٹ بن جاتا تھا اور میری وجہ سے اُسے تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دفعہ تو جھنجھلا کر میں نے اپنی بیوی کو اس کے والدین کے گھر روانہ کر دیا اور میرا ارادہ تھا کہ جب تک وہ سیدھی نہ ہو جائے میں نے اُسے واپس نہ بلانا تھا آخر مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ یہ سب میری ہی نادانی تھی

(۳)

ایک نئی زندگی کا پیش خیمہ

گانڈھی جی کی وکالت ابھی راجکوٹ میں چلی ہی تھی کہ انھیں اپریل ۱۸۹۳ء میں ایک بڑے سوداگر (جس کی دکان جنوبی افریقہ میں تھی) کے مقدمہ کی پیروی کرنے کے لئے وہاں جانا پڑا۔ گانڈھی جی اکیلے ہی گئے۔ مئی کے مہینے میں ڈربن کی بندرگاہ میں اترے اور پہلے ناٹال گئے اور پھر ٹرانسوال پہنچے۔ وہاں تین سال کے قریب یعنی ۱۸۹۵ء تک رہے۔ اس تین سال کے عرصے میں ان کے خیالات وہاں کے حالات دیکھ کر بالکل بدل گئے۔

ایک مصنف لکھتا ہے کہ انگریزی راج میں رہ کر جس میں سب کے

۱۷ دیکھئے صفحہ ۲۷۰ پر۔

کے حقوق برابر تسلیم کئے جاتے ہیں اور ولایت میں چکر لگا کر جب گاندھی جی ناٹال تھکے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہندوستانیوں سے افریقہ کے اصلی باشندوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ گویا وہ اچھوت ہیں۔ جب یہ حالت دیکھی اور ان سے بھی خود بدسلوکی ہوئی تو میں میں آئے اور اپنے فریضے کو سمجھے۔ جب ریل گاڑی میں سفر کرتے تو وہاں بدسلوکی، مار بھی کھائی، ان ہونٹوں میں جہاں سفید رنگ کے لوگ بود و باش کرتے تھے کالے ہندوستانیوں کو جگہ نہ ملتی تھی۔ ایک دفعہ مارٹنز برگ میں پولیس کے کانسٹیبل نے گاندھی جی کو ریل گاڑی سے دھکا دے دیا۔ گاڑی چل دی اور سردی بہت تھی۔ بچارے سٹیشن پر ہی بڑے ٹھہرتے رہے۔ اسباب نہیں اور وہ کہیں۔ انھیں یہ جرات نہ تھی کہ کسی سے کچھ دریافت کریں۔ ایسا نہ ہو کوئی بے عزتی کر دے، یا مار بیٹھے۔ گاندھی جی کو یہ بھی پتہ لگ گیا کہ ہندوستانیوں کو سٹیشن کے بڑے دروازے سے جانے کی اجازت نہ تھی اور ٹکٹ لینے میں بڑی دقت کا سامنا ہوتا تھا سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہاں کی حکومت یہ سوچ رہی تھی کہ ایک ایسا قانون بنایا جائے کہ ہندوستانیوں کو وٹ ڈینے کا حق نہ ہو۔

M. K. Gandhi, a Sketch of His Life and Career,

جب گاندھی جی نے ناٹال کی عدالتِ عالیہ میں وکیل کے طور پر کام کرنا چاہا تو ان کی درخواست اس بنا پر نامنظور کر دی گئی کہ ان کا رنگ سیاہ ہے اور سیاہ رنگ والا بیرسٹری نہیں کر سکتا۔ ان باتوں کو دیکھ کر گاندھی جی نے ناٹال میں انڈین کانگریس قائم کر دی تاکہ جو ہندوستانی وہاں آباد ہوتے تھے۔ وہ مل کر اپنی شکایات پیش کر سکیں اور ان کو رفع کرا سکیں۔ ۱۸۹۵ء کے نصف میں کانگریس کو قائم ہوئے ایک سال ہو چکا تھا اور تب ہی گاندھی جی کو واپس ہندوستان آنا پڑا۔ ان کا ارادہ تھا کہ جو ہندوستانی ناٹال میں آباد ہیں ان کی حالت کا نقشہ کھینچ کر ان کے ہم وطنوں کو ان کی طرف متوجہ کرایا جائے۔ گاندھی جی کی وکالت بھی وہاں چل نکلی تھی۔ سو ان کا ارادہ تھا کہ بیوی بچوں کو ساتھ لے کر وہ جنوبی افریقہ میں جا بسیں اسی لئے وہ ہندوستان آئے تھے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسی اشار میں شرمبتی کستوربا کے ہاں ایک اور لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام منی لعل رکھا گیا۔ جو لڑکا پہلے ہوا تھا اس کا نام ہیرا لعل تھا۔

گاندھی جی ۱۸۹۶ء کے نصف میں ہندوستان آئے تھے اور جب وہ کلکتہ میں تھے، تو ناٹال سے تیار آیا کہ آپ واپس آؤ۔ اس زمانے میں گاندھی جی ہندوستان کے مختلف صوبوں میں گئے اور بہت سے سرکردہ لوگوں سے ملے اور کچھ تقریریں بھی کیں جن میں ناٹال کے

سفید رنگ کے باشندوں کا ہندوستانیوں سے جو سلوک ہو رہا تھا اس کے متعلق بتلایا۔ رائٹر نے جو خبریں جنوبی افریقہ میں شائع کیں ان سے وہاں کے یورپین لوگ بڑے تلملائے۔

”گاندھی جی لکھتے ہیں کہ بیوی اور بچوں کو ساتھ لے کر جنوبی افریقہ جانا میرا پہلا سفر تھا۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ کم سنی کی شادیوں کی وجہ سے اوسط درجے کے ہندوؤں میں خاوند تو پڑھا لکھا ہوتا ہے مگر بیوی بالکل ان پڑھ ہوا کرتی ہے۔ دونوں میں ایک بڑی صلح حاصل ہوا کرتی ہے، اور خاوند کو اکثر بیوی کو پڑھانا لکھانا ہوتا ہے جنوبی افریقہ پہنچ کر مجھے یہ بھی خیال کرنا پڑا کہ میری بیوی کس طرح کی پوشاک پہنے۔ بچے کیا پہنیں اور ہم کس قسم کا کھانا کھائیں اور نئے ماحول میں کس طرح سے بود و باش کریں۔ ایک ہندو بیوی اپنے خاوند کا کہنا ماننے کو دھرم خیال کرتی ہے۔ اور ہندو خاوند تو اپنے آپ کو با اختیار مالک سمجھتا ہے اور یہ امید کرتا ہے کہ بیوی اس کی غلام ہو کر رہے۔

ہم لوگ ہندو خیال کئے جانے کی خاطر اس فیصلے پر پہنچے کہ ہمیں یورپین طریقے حتی الامکان اختیار کرنے چاہیں۔ میرا خیال

تھا کہ ایسا کرنے سے ہی ہمارا کچھ رعب ہوگا اور اگر رعب نہ ہوا تو ہم اپنے ہم وطنوں کی کچھ خدمت نہ کر سکیں گے۔ میں نے بیوی بچوں کو بھی کہا کہ وہ بھی پوشاک بدل ڈالیں، بھلا مجھے یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ لوگ ہمیں کاٹھیاواہی بننے کہیں، اس زمانہ میں پارسی لوگ ہندوستانیوں سب سے زیادہ مہذب خیال کئے جاتے تھے، ہم اگر پورے پورے یوروپین نہ بنے تو بھی ہم نے پارسی فیشن اختیار کیا میری بیوی نے تو پارسی لباس پہننا شروع کر دیا اور لڑکوں نے پارسیوں جیسے کوٹ اور بتلون بنوائے۔ جرابیں اور بوٹ تو ہر شخص کو پہننے ہی پڑتے تھے، البتہ بیوی بچوں کو نیا طریقہ اختیار کرنے میں کچھ دیر لگی، بوٹ ذرا سنگلی دینے اور جرابوں کی وجہ سے پاؤں میں پسینے کی بدبو آنے لگتی۔ پاؤں کی انگلیاں درد کرنے لگ جاتیں میرے پاس بھی سب اس قسم کے اعتراضوں کے جواب کھڑے رہتے۔ مگر جرابوں سے بڑھ کر میرا ڈر ہی بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ اگر کہنا نہ مانتے تو کرتے بھی کیا۔ کھانے کے وقت چھری کانٹے کا استعمال انہیں اور بھی مشکل معلوم ہوتا۔ جب عادت پڑ گئی تو البتہ چھوٹی مشکل ہو گئی۔ مگر اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب کا طمع ہمارے گلے کا کاہر ہو گیا تھا اور جو مرزا اپنے ایسی طریقوں میں ہے وہ اس وقت نہ تھا، ان میں بڑی آزادی ہے۔

جب گاندھی جی بال بچوں سمیت جنوبی افریقہ میں پہنچے، تو

وہاں کے یورپین لوگوں پر ان کے برخلاف زہریلے پرائیگنڈا کا اثر ہو چکا تھا، جو تقریریں گاندھی جی نے ہندوستان میں کی تھیں، ان کی ٹوٹی پھوٹی رپورٹ نے یورپینوں کو بھڑکایا۔ دو جہاز ہندوستانی مزدوروں سے بھرے ہوئے ان ہی دنوں ناٹمال میں آئے تھے لوگ یہ سمجھے کہ یہ ناٹمال پر حملہ ہے، بھلا ان کا گاندھی جی سے کیا واسطہ تھا؟ یورپین لوگ یہ سمجھے کہ یہ سب کام سیکھے ہوئے مزدور ان کی جگہ لے لیں گے اور گاندھی جی ان کو منگوار ہے ہن ایسے خیال اس طرقت سے پھیلانے گئے کہ مسٹر اسکومب جو کلا میں بڑے سرکاری وکیل تھے وہ بھی یہی سمجھنے لگے۔ وہ خود ہی متاثر نہ ہوئے بلکہ انہوں نے سب یورپینوں کو بھی اس بات کا یقین دلا دیا۔ مزدوروں کے جہاز ۱۸ دسمبر کے قریب ساحل ڈرین پر لگے۔ ناٹمال کی حکومت نے یورپینوں کے جذبات کو مد نظر رکھتے ہوئے دو جہازوں کو کوارنٹین میں بھیجا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے مزدوروں کا ملاحظہ کیا تو انھیں پانچ دن کوارنٹین میں رہنا ہوگا۔ مگر جہاز ۲۳ دن تک وہیں پڑے رہنے اتنے عرصے میں یورپینوں کو اور موقعہ ملا کہ وہ ہندوستانیوں کے برخلاف زہراگلیں۔ مزدوروں سے کہا گیا کہ اگر تم نے اس ملک میں پاؤں رکھا تو انجام اچھا نہ ہوگا بلکہ تمہیں سمندر میں ہٹیل دیا جائے گا مگر

جب یورپینوں نے دیکھا کہ مزدور اپنی ضد پر تلے ہوئے ہیں اور ضرور اُتریں گے تو جہاز والوں کو کہا کہ بھرے بھرائے جہاز واپس ہنڈرٹ لے جاؤ بلکہ اُن سے تو یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تمہارا سارا کاروبار بند کر دیا جائے گا۔ مگر جہاز والے بالکل نہ مانے۔ جہازوں کے وکیل مسٹر لافٹن نے بڑی بہادری سے کام لیا۔ اُس نے ان کو مشورہ دیا کہ یہ بات مت مانو۔ اور کہا یورپینوں کی یہ حماقت قابلِ نفرت ہے۔ چنانچہ ۲۳ دن کے بعد جہازوں کو کوآرڈین جھوڑنے کی اجازت حکومت کی طرف سے مل گئی جہاز والوں نے اُن افسروں کے برخلاف جو اس بات کے ذمہ دار تھے عدالتی کارروائی کرنے کی دھمکی دی۔

۱۳ جنوری ۱۸۹۷ء میں جہازوں نے مسافروں کو اتارا۔ اس پر چند یورپین بہت بگڑے اور رکاوٹ ڈالنے لگے مگر اسکومب صاحب نے انہیں سمجھایا۔ گاندھی جی کو کہا بھیجا کہ آپ ابھی نہ آئیے گا۔ شام تک بھیر کم ہو جائے گی تو آپ نے آنا۔ ابھی گاندھی جی اس بات کو سوچ ہی رہے تھے کہ لافٹن صاحب ملنے آئے اور انہوں نے صلاح دی کہ بال بچوں کو رستم جی کے ہاں چھوڑ دیکھئے اور خود میرے ساتھ چلئے۔ ڈربن کے بازاروں میں اس قدر ہجوم تھا کہ وہاں سے گزرنا دشوار تھا۔ گاندھی جی کو لوگ ان کی بگڑی سے پہچانتے تھے۔ چنانچہ چند یورپینوں نے انہیں ان کا نام لیکر

پکارا اور بہت لوگ جمع ہو گئے۔ لافٹن صاحب سمجھ گئے کہ معاملہ خراب ہے۔ انہوں نے ایک رکشا کے قلی کو بلایا، لوگوں نے قلی کو سخت سست کہا اور وہ بھاگ نکلا۔ ذرا آگے گئے ہی تھے کہ گاندھی جی اُس بڑے ہجوم میں لافٹن صاحب سے جدا گئے۔ پھر کیا تھا لوگ گاندھی جی پر امنڈ پڑے اُن پر پتھروں اور انڈوں کی بوچھاڑ برساتی گئی اور انھیں خوب مارا پیٹا۔ گاندھی جی بہوش ہو گئے۔ پولیس سپرنٹنڈنٹ صاحب کی بیوی اتفاقاً وہاں سے گزری اُس نے گاندھی جی کو پہچان لیا اور انھیں بچایا۔ کسی نے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو خبر کر دی۔ وہ تھانے میں تھے۔ جلدی سے انہوں نے کانسٹیبل روانہ کئے اور وہ گاندھی جی کو گھر لے گئے۔ انھیں سیٹھ رستم جی کے گھر پہنچنے میں کچھ تکلیف نہ ہوئی۔ رات کو یورپیوں نے گھر کے گرد گھیرا ڈالا۔ جب گاندھی جی نے دیکھا کہ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں اور رستم جی کے مال اسباب کو بھی عام لوگ لوٹ لیں گے وہ تو وہاں سے کانسٹیبل کا بھیس بدل کر بھاگے اور تھانے پہنچے۔ جب پولیس سپرنٹنڈنٹ صاحب نے لوگوں کو یقین دلایا کہ گاندھی جی مکان میں نہیں ہیں تو لوگ واپس چلے آئے، کچھ دنوں بعد اسکومب صاحب نے انھیں بلا بھیجا، اور نوآبادیوں کے سکریٹری آف بیٹسٹ کی طرف سے افسوس کا اظہار کیا بلکہ کہا کہ

مجرموں کو سزا دی جائے گی۔ مگر گاندھی جی نے کہا کہ اب جانے دو۔ اس فصل کو بند کرنے سے پیشتر ہمیں کستوریا کے متعلق کچھ کہنا چاہیے۔ انہوں نے ان واقعات میں بڑا حصہ لیا۔ چونکہ بڑی سمجھدار تھیں انہوں نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا۔ ہندوستانی اُن کے خاندان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے جنوبی افریقہ میں اپنے ہم وطنوں کی بڑی خدمت کی تھی۔ گاندھی جی نے ہندستان کے بڑے بڑے شہروں میں تقریریں کی تھیں۔ اس لئے وہ بڑے مشہور ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب کستوریا جنوبی افریقہ گئیں تو انہیں معلوم تھا کہ ہندوستانی انہیں اچھی طرح خیر مقدم نہیں گئے اور ان کا خیال تھا کہ سب ان کی قدر دانی کریں گے مگر سب کچھ اس کے اٹھ ہوا۔ چنانچہ جو دن انہوں نے کوآرن میں گزارا وہ بڑے ہی پرآزار اور تکلیف دہ تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ جس طریق سے گاندھی جی کے بیوی بچوں کو جہاز سے اتار کر رستم جی کے گھر لے جایا گیا وہ بھی انہوں نے دیکھا اور جو حالت زار گاندھی جی کی ہوئی وہ بھی دیکھی۔ چنانچہ انہیں یقین ہو گیا کہ اگر انہیں عزت کی زندگی گزارنی ہے تو سب مصائب اور تکلیفیں سہارنی ہوں گی۔ چونکہ کستوریا نڈر تھیں اس لئے بالکل نہ گھبرائیں اور نہایت ہی صبر سے کام لیا۔ دراصل لیکہ گاندھی جی کو گھر سے جانا بھی پڑا۔ اور وہ بھی رات کے وقت۔ جو

اُن کے دل پر گذرا اس کو کون جان سکتا ہے۔ مگر جس استقلال سے انہوں نے کام لیا وہ سب نے بہت پسند کیا۔ جو وقت انہوں نے رستم جی کے گھر میں گزارا وہ قابلِ تحسین ہے کیونکہ وہ وہاں اکیلی تھیں اور گاندھی جی کی جان خطرے میں تھی۔

جس متابعت سے گاندھی جی نے یہ سب بے حرمتی سے ہی اور جو جواب انہوں نے اسکو مہ صاحب کو دیئے اُن سے یورپیوں نے اپنی غلطی کا احساس کیا۔ اخباروں نے عوام کے رویہ پر تنقید کی اور دعائی پاپن - شری گوبند نے اسی سائن میں ایک خط لکھا ہے (جب گاندھی جی سے ملاقات کی تو افسوس ظاہر کیا کہ اگر مجھ ایسا نہ کہنا چاہئے تھا اور یہ سب ہی کہا کہ مجھے آپ کے اوصاف سنہ اور آپ کے ہم وطنوں کی خاص نیت کا اس وقت پتہ نہ تھا۔ اس کے کچھ گھنٹے بعد ہی اسکو مہ صاحب دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔

(۴) گھر میں ستیہ لڑہ

جو وقت گنتہ بائے گا ندرتی جی کے ساتھ لڈارہہ واحاب
تے پڑھے۔ ایک تو گاندھی جی پبلک معاملات میں حصہ لیتے۔ اس
لئے بھی دوسرے خانگی معاملات میں بھی ہمیشہ گڑبڑ رہتی تھی۔
باوجود مشغولیت کے اور عدم فرصتی کے گاندھی جی خانگی معاملات
میں دلچسپی لیتے رہتے۔ مثلاً بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرتے
جب دیکھا کہ جنوبی افریقہ میں بچوں کی تعلیم ان کے حسبِ نشانہ نہیں
ہوتی تو بڑے لڑکے کو واپس ہندوستان روانہ کر دیا۔ جب دیکھا
کہ لڑکے نے کچھ ترقی نہیں کی تو اسے واپس بلا لیا۔ باپ کے فرائض
کے علاوہ گاندھی جی خاوند ہونے کی حیثیت میں بھی اپنا فرض

بجالاتے تھے۔ بیوی کی صحت کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے جب نال
 بچہ ہونے والا ہوتا تو بہترین ڈاکٹر کو طلب کرتے۔ وہاں چونکہ ڈاکٹر
 اور دایا وغیرہ یورپین اور کالے ہندوستانی ڈاکٹر اور دایا بہت
 کم تھے اس لئے گاندھی جی نے زچہ کے متعلق سب کچھ مطالعہ کیا
 اور یہ سب علم جب ان کے ہاں لڑکے ہوئے تو بڑا مفید ثابت ہوا۔
 چونکہ مشغولیت زیادہ تھی اس لئے گاندھی جی نے اپنے آپ کو
 روکے رکھنے کو بہت مفید پایا۔ ان کو معلوم ہو گیا کہ بچے پیدا کرتے
 جانا اور بعد میں بچوں کی تعلیم و تربیت پر دقت خرچ کرنا انھیں
 پیلک کاموں سے روک دے گا۔ چنانچہ انہوں نے بیوی کے
 ساتھ مشورہ کر کے شہوت پرستی سے پرہیز کرنے کی قسم کھالی۔
 یہ عمل تو ۱۹۰۱ء سے ہی شروع ہو گیا تھا مگر قسم ۱۹۰۶ء میں کھائی
 گئی۔

۱۸۹۷ء سے ۱۸۹۹ء تک بوٹر لوگوں نے جو بغاوت کی اس
 کے دبانے کے لئے گیارہ سو ہندوستانیوں کی فوج چالیس
 افسروں سمیت گاندھی جی نے طیار کر دائی۔ ان میں تین سو کے
 قریب آزاد ہندوستانی بھی شامل تھے۔ بعض لوگ بھرتی ہونے
 کے برخلاف تھے تو بھی گاندھی جی نے کہہ سن کر ان کو طیار کر ہی لیا۔
 جو خدمات ہندوستانیوں نے سرانجام دیں۔ حکومت نے
 ان کی بڑی قدر دانی کی اور ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہندوستانی

سب کے سب ایک جتھہ کے اندر بندھ گئے۔ مزدوروں میں گاندھی جی کا نام بڑا مشہور ہو گیا اور ان کے تعلقات بھی اچھے ہو گئے۔ خانگی زندگی میں البتہ کش مکش جاری رہی۔ جب گاندھی جی کستور بار حکومت کرنے لگ جاتے تو وہ ہندو عورت کی طرح مان تو لیتی مگر ساتھ ہی دلائل دے کر مقابلے پر کھڑی ہو جاتی۔ اپنی خود نوشت سرگزشت میں گاندھی جی دو واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ غور سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کستور با ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے گاندھی جی کی زندگی کو خوش نخت اور قانع بنایا۔

ڈربن میں ہمارا گھر انگریزی طریقہ کا بنا ہوا تھا۔ کمرے ایسے تھے کہ ان میں گندے پانی کا نکاس نہ تھا۔ ہر کمرے میں پیشاب کرنے کے لئے ایک برتن رکھا رہتا تھا۔ ان برتنوں کو ذکر یا بہتر صاف نہ کرتا تھا۔ مجھے یا میری بیوی کو صاف کرنے پڑتے تھے۔ کلرک وغیرہ جو گھر میں رہتے تھے وہ بھی اپنے برتن خود صاف کیا کرتے تھے۔ ایک عیسائی کلرک ابھی گھر میں آیا ہی تھا اور اس کا سونے کا کمرہ بھی ہمیں صاف کرنا ہوتا تھا۔ میری بیوی اور سب کے برتن صاف کر لیتی تھی مگر اس عیسائی کے برتن کو ہاتھ نہ لگاتی تھی۔ اس بات پر میرا بیوی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ نہ وہ

مجھے برتن صاف کرنے دیتی اور نہ ہی خود کرتی۔

مجھے ابھی تک یاد ہے کہ میری بیوی نے مجھے کس طرح پھسکارا اس کی آنکھیں غصہ سے بھر گئیں اور وہ زار زار رونے لگ گئی اور برتن اٹھائے سیڑھیوں سے اتر گئی۔ میں بھی بڑا بے رحم تھا۔ مگر مجھے بیوی کو سبق سکھانا تھا۔ غرض میں نے اُسے بہت تنگ کیا مگر یہ سب کچھ محبت کی وجہ سے تھا۔

برتن کو لے جانا تو معمولی بات تھی۔ میں جانتا تھا کہ بیوی اُسے خوشی سے صاف کرے۔ اس لئے میں نے زور سے کہا کہ اس گھر میں اس قسم کی یہودگی گوارا نہ ہوگی۔ میری بیوی بڑی حاضر جواب تھی اور بول اُٹھی۔ یہ لو اپنا گھر۔ میں جاتی ہوں۔ یہ سنتے ہی میں آپسے باہر ہو گیا اور رحم کو بالائے طاق رکھ کر میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھیسٹا گھیسٹا اُسے پھاٹک تک لے گیا۔ یہ پھاٹک سیڑھیوں کے سامنے ہی تھا۔ اور میں نے اُسے کھولا اور بیوی کو دھکا دیا۔ وہ زار زار رو رہی تھی اور چلا کر بولی۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں کہہ رہا ہوں۔ کیا یہاں میرے والدین یا رشتہ دار ہیں جو مجھے سمیٹ لیں گے؟ آخر میں تمہاری بیوی ہوں۔ میں یہ بدسلوکی کس طرح برداشت کر سکتی ہوں۔ خدا کے واسطے کچھ ہوش کر دو۔ اور پھاٹک بند کر دو۔ لوگوں کو تاشانہ دکھلاؤ

میں گھبرایا تو نہیں مگر مجھے بڑی شرم آئی اور میں نے پھاٹک بند کر دیا۔ بیوی مجھے چھوڑ نہ سکتی تھی مگر میں بھی بیوی کو چھوڑ نہ سکتا تھا۔ کئی دفعہ جھگڑا ہو جاتا مگر آخر صلح ہو جاتی۔ میری بیوی چونکہ بے حد بردبار اور متحمل مزاج تھی۔ آخر جیت اُسی کی ہوتی تھی۔

چونکہ اس واقعہ کو مدت گزر گئی ہے میں نے بلا تامل بیان کر دیا، وہ زمانہ گیا۔ اب میری وہ حالت نہیں۔ وہ نادانی کا وقت تھا۔ اب مجھے بیوی کو کچھ کھلانا نہیں۔ اب کستوربا مجھے جو مرضی ہے کہے مجھے غصہ نہیں آتا۔ اب ہم ایک دوسرے کو خوب سمجھ گئے ہیں اور وہ جوش جوانی بھی نہیں رہا۔ جب کبھی میں بیمار ہوا ہوں، کستوربا میری تیمارداری کرتی رہی ہے اور بغیر کسی عوضانہ کے میری خدمت کرتی رہا ہے۔ یہ واقعہ ۱۸۹۸ء کا ہے اس وقت مجھے برص چربی کی قدر معلوم نہ تھی، میں بیوی کو خاندن پرستی کا آلہ سمجھتا تھا خاندن جو چاہے سو کرے۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ بیوی ایک طرح خاندن کی رفیق اور مددگار ہوتی ہے اور اس کے خوشی اور رنج میں شریک رہتی ہے۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اُس سے کوئی شخص یہ نتیجہ نہ نکالے کہ میں اور میری بیوی ایک بے مثل جوڑا ہیں اور

ہمارا نصب العین بھی ایک ہی ہے۔ شاید کستوربا کو معلوم ہے کہ اس کا اپنا کوئی نصب العین ہے ہی نہیں۔ اور فی الواقع میری بہت سی حرکتیں سے پند بھی نہیں۔ ہم دونو کبھی بحث مباحثہ نہیں کیا کرتے۔ ایسا کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کستوربا کو اس کے والدین نے کوئی تسلیم نہ دی تھی اور نہ ہی میں اُسے کچھ سکھلا سکا۔ وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ مگر اس میں ایک بڑی بھاری صفت تھی اور وہ صفت قریب قریب سب ہندو عورتوں میں پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جی چاہے یا نہ چاہے۔ بے خبری سے یا جانتے ہوئے بیوی کی خوشی اسی بات میں ہوتی ہے کہ وہ خاوند کے نقش قدم پر چلے اور جس طرح میں ضبط کی زندگی گزارنا چاہتا تھا وہ اس میں سدا رہتا۔

اگرچہ مجھ میں اور میری بیوی میں داغی لحاظ سے بڑا فرق تھا۔ پھر بھی مجھے اس بات کا احساس ہے کہ ہم دونو کی زندگی بڑی قناعت اور خوشی اور رتی کی زندگی تھی۔“

مذکورہ بالا واقعہ یہ جلاتا ہے کہ گاندھی جی اپنی زندگی کو پہلے سے بہتر بنانے میں کوشاں رہتے تھے۔ بیوی پرانے طریقوں پر چلنا چاہتی مگر وہ اُسے زور سے روکتے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ چونکہ گاندھی جی رفاہ عام کے لئے سچے دل سے کام کرتے تھے ان کا شروع سے یہ اصول تھا کہ پبلک کی خدمت کرتے ہوئے کوئی عوفنا

نہ لینا چاہئے۔ یہ خدمت بغیر کسی غرض کے کرنی چاہئے۔ اگر لوگ کچھ دیں بھی تو وہ سب کچھ رفاہ عام کے لئے خرچ ہونا چاہئے۔ چنانچہ جب گاندھی جی واپس ہندوستان آنے لگے تو لوگوں نے بہت کچھ نذر کیا۔ گردہ اسی بلند اصول پر کاربند رہے۔ کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ اس وقت کستور با اس اصول کی حقیقت کو نہ سمجھ سکیں اور انہوں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے۔ جو چیزیں لوگ ہم کو دیتے ہیں وہ ہماری نہ ہونی چاہئیں، گاندھی جی اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں :-

اول ہی اول جب میں جنوبی افریقہ سے ہندوستان آیا تھا اور وہ ۱۸۹۶ء میں تھا۔ تب بھی لوگوں نے بہت سی چیزیں مانگنے کے طور پر دی تھیں۔ گراب کے تو حد ہی ہو گئی۔ سونے اور چاندی کی بنی ہوئی اشیاء کے علاوہ ہیرے اور جواہرات بھی لے بھلا مجھے یہ سب کچھ لینے کا کیا حق تھا؟ اگر لے لیتا تو یہ پبلک کی خدمت بلا عوضانہ کس طرح ہوتی؟ سب تحفے وغیرہ سوائے ان چیزوں کے جو موکلوں نے دیں وہ تو میری قومی خدمات کے سلسلہ میں تھیں۔ بھلا میں موکلوں میں اور عوام میں کیوں فرق کرتا؟ پبلک کی خدمت کرنے میں دونوں نے میری مدد کی تھی۔

تخوں میں ایک سونے کی زنجیر بھی تھی جو میری بیوی کے لئے مخصوص تھی، مگر بیک خدات کے سلسلے میں ہمیں بی تھی۔ فرق کس طرح کیا جاتا؟ جس دن یہ سب چیزیں ہمیں دی گئیں اس رات مجھے نیند نہ آئی۔ میں رات بھر کمرے میں گھومتا رہا اور بڑا چین رہا۔ یہ مشکل حل نہ ہوتی تھی۔ ایک طرف سینکڑوں روپے کے تحفے تھے۔ مگر دل نہ مانتا تھا۔ کروں تو کیا کروں، میں تو بھلا رکھ ہی لیتا۔ بیوی بچوں کا ان میں کیا حق تھا۔ انھیں تو سکھانا تھا کہ بیک کی خدمت عوصنا نہ کے بغیر کرنی چاہئے۔ ہمارے گھر میں زیور بھی نہ تھے اور ہم تو سادہ زندگی گزار رہے تھے۔ ہم بھلا سونے کی گھڑیوں کو کیا کرتے؟ سونے کی زنجیریں اور بیروں کی انگوٹھیاں ہمارے کس کام کی۔ میں تو لوگوں سے بار بار کہتا تھا کہ زیور پہننا چھوڑ دو اب میں زیورات کو کیا کرتا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں ایسی چیزوں کی ضرورت نہیں۔ اس لئے میں نے ایک ٹرسٹ مقرر کر دیا جو ان سب چیزوں کو سنبھالے اور سیٹھ رستم جی اور چند اور شخصوں کو ٹرسٹی مقرر کر دیا۔

صبح اٹھتے ہی میں نے بیوی بچوں سے مشورہ کیا اور آخر کار میں بوجھ کو سر سے اتار پھینکا۔ مجھے معلوم تھا کہ بیوی اصرار کرے گی

اور بچے ان لیں گے۔ سو میں نے بچوں کو اپنا کیل بنایا۔ وہ جھٹ سے میری طرف ہو گئے اور کہنے لگے ہم زیوروں کو کیا کریں گے؟ یہ تو لوگوں کا مال ہے ان ہی کو ملنا چاہیے۔ ہمیں ضرورت ہوگی تو ہم خود خرید لیں گے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تب میں نے ان سے کہا کہ اپنی ماں کو سمجھاؤ۔ وہ بچے اس بات پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے یہ ہمارا ہی کام ہے۔ بھلا ماں کو زیوروں کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے آخر ہمیں ہی دے دینے ہیں۔ جب ہم نہیں لینا چاہتے تو اس نے ان کو کیا کرنا ہے۔ مگر یہ کیسے ہوتا؟ میری بیوی کہنے لگی تمہیں ضرورت نہ ہوگی۔ مانا کہ بچوں کو بھی زیوروں کی ضرورت نہیں۔ وہ تو آپ کے اشارے پر چلیں گے۔ میں تو نہ پہنوں گی۔ مگر بچوں کی بیویاں تو پہنیں گی۔ کیا معلوم کل کو کیا ہونا ہے؟ میں تو ان چیزوں کو لے ہی لوں گی۔ لوگوں نے کس محبت سے ان چیزوں کو ہمیں دیا ہے! چنانچہ ایسی دلیلوں کی بھرمار ہونے لگی۔ آخر رونے تک نوبت آئی، مگر بچے بالکل نہ مانتے تھے اور مجھ پر تو کوئی اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا لڑکوں کی ابھی شادیاں ہونی ہیں۔ ابھی تو وہ بچے ہی ہیں جب جوان ہو جائیں گے خود شادی کر لیں گے اور کیا معلوم ان کی بیویاں زیور پہنتا پسند بھی کریں گی یا نہیں؟ اگر بالفرض ضرورت بھی پڑی تو میں تو ہوں ہی۔ اس وقت بندوبست

کر دیا جائے گا۔“

بیوی بول اٹھی۔ تب آپ کو پوچھیں گے۔ مجھے معلوم ہے
 آپ کس طرح کے شخص ہو۔ آپ نے تو میرے سب زیور اتروا
 دئے تھے۔ اور مجھے آرام سے جینے نہ دیا۔ بھلا آپ لڑکوں کی
 بیویوں کے لئے زیور لے دیں گے؟ آپ تو ابھی سے انھیں
 سادہ ہونا رہے ہو۔ میں تو یہ زیور ہرگز واپس نہ دوں گی اور
 یہ ہمارے تو مجھے ہی دیا گیا ہے۔ میں نے اسی وقت کہا کہ کیا یہ
 آپ کی خدمت کا عہدہ ہے۔ ~~.....~~
 کہانا آپ کی خدمات کا۔ مگر اس میں فرق ہی کیا ہے۔ میں
 بھی تو دن رات آپ کی خدمت کرتی ہوں۔ وہ کسی گنتی میں
 بھی نہ ہوئی۔ آپ کے گھر ہر قسم کے لوگ آتے جاتے تھے
 میں ان کی بھی خدمت کرتی تھی اور ساتھ ہی آپ مجھ کو راتے
 بھی رہتے تھے۔

اس قسم کے طعنے مجھے دئے گئے اور میرے سینے میں زخم ہو گئے
 مگر میرا پکا ارادہ تھا کہ زیور واپس کر دئے جائیں اور میں نے
 اپنی بیوی سے یہ بات منوالی۔ ۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۱ء کے
 نذرانے سب لوٹا دیئے گئے۔ ایک ٹرسٹ بنا دیا گیا اور سب

زیورات نیک میں جمع کرا دیئے گئے۔ اور رفاہ عام کے لئے
 خرچ کئے گئے۔ البتہ میری مرضی اور ٹرسٹیوں کی اجازت سے
 یہ سب کچھ ہوا۔ جب مجھے رفاہ عام پر کچھ خرچ کرنا پڑتا اور
 میں چاہتا کہ ٹرسٹ سے روپیہ لکھواؤں تو جھٹ روپیہ جمع
 ہو جاتا۔ اور ٹرسٹ کا روپیہ ویسا ہی بنا رہتا۔ وہ نقد بھی
 تک موجود ہے اور ضرورت کے وقت خرچ بھی ہوتا رہتا
 ہے اور بڑھتا بھی جاتا ہے۔

مجھے بھی (جی) عیسا و ایس ہوا کہ میں نے ایسا کام کیوں کیا
 بلکہ آہستہ آہستہ میری بیوی بھی سمجھ گئی کہ اچھا ہی ہوا۔ ہم کئی
 طرح کی آزمائشوں سے بچ گئے۔ میرا پختہ خیال ہے کہ پندرہ
 کروڑ والوں کو قیمتی نذرانے منظور نہیں کرنے چاہئیں۔

گانڈھی جی بال بچوں سمیت ۱۹۱۱ء میں واپس ہندوستان آئے
 انھیں راجکوٹ چھوڑ کر خود دسمبر کے مہینے میں اکیلے کلکتہ جانا
 پڑا۔ وہاں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس تھا۔ گاندھی جی نے
 ہندوستانیوں کے متعلق جو جنوبی افریقہ میں آباد ہیں ایک
 رپورٹ پیش کیا۔ وہاں سے جب واپس آئے تو راجکوٹ

میں رہتے رہے پھر لمبئی چلے گئے۔ وہاں فورٹ میں دفتر رکھاؤ
 خود گیر گام میں رہنے لگے۔ وہ گھرا چھانہ تھا اس لئے چھوڑنا پڑا۔
 پھر سیٹھا کر وزیر میں لمبئی کے باہر ایک ننگلے لیا۔ دس ہزار
 روپیہ کا زندگی کا بیمہ کر لیا۔ بعد میں جب خیال بدل گیا تو کمپنی
 کو قسط دینی بند کر دی۔ ”کاندھی جی کا خیال تھا کہ بیمہ کرانے سے
 بچے بڑے ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا نہیں سکتیں گے۔“
 اب لمبئی میں بہت دیر نہ رہے تھے کہ جنوبی افریقہ سے
 تارا آیا کہ فوراً واپس آ جاؤ۔ جینا نچہ کاندھی جی اکیلے
 روانہ ہو گئے۔ اُس وقت جو ان کی حالت تھی وہ اس طرح
 بیان کرتے ہیں۔

بیوی بچوں سے جدا ہونا اور بے بنائے گھر کو چھوڑنا اور
 تشویش میں پڑنا بڑا ہی ناگوار گذرا۔ مگر مجھے معلوم تھا کہ
 میری زندگی میں گردش ہے۔ اس دنیا میں یک رنگی تو ممکن
 ہی نہیں اور اگر کوئی چیز قائم بالذات ہے تو وہ صرف پرانا
 یعنی حقیقت ہے۔ سب چیزیں تغیر پذیر ہیں اور ان میں
 ثبات نہیں، البتہ کون دمسکاں کی تہ پر ایک بڑی حقیقت

کار فرما ہے اور اگر وہ کسی کے ہاتھ آجائے تو مبارک ہے
 وہ شخص۔ پھر کیا ہے زندگی کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے؟
 ابھی جنوبی افریقہ میں گئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ
 ٹرانسوال کی عدالت عالیہ میں گاندھی جی پیرسٹروں کی فہرست
 میں شامل ہو گئے اور وہاں بود و باش کرنے لگے اور بعد میں
 بیوی اور بچوں کو بھی وہاں ہی بلا لیا۔

(۵)

جنوبی افریقہ میں زندگی

جنوبی افریقہ میں گاندھی جی نے ۱۹۰۴ء میں ایک مقام فینکس پر ایک بستی آباد کرنی شروع کی۔ اسی جگہ سے ایک اخبار انڈین اوپینین آف نیکالنے کا بندوبست کیا۔ گاندھی جی کو اس بستی کے بسانے کا بڑا ہی شوق تھا، مگر وہ وہاں دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ انھیں جوہانسبرگ جانا پڑا مگر ان کی غیر حاضری میں بھی کام چلتا رہا، گاندھی بستی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

اس غرض سے کہ بستی میں رہنے والے محنت مزدوری کر کے

“Indian Opinion.”

The Story of My Experiments with Truth, p. 372.

اپنی روزی کمائیں۔ ہم نے تین تین ایکڑ زمین کے ٹکڑے چھاپنے خانے کے ارد گرد بنا دیئے۔ ایک زمین کا ٹکڑا میرے حصہ آیا۔ ہر ایک ٹکڑے میں ہم نے ٹین کی چھتیں ڈال کر مکان بنائے، ہزار اصلی مشا، تو یہ تھا کہ کچے مکان بنوالیں اور ان پر پھوس کی چھتیں ڈال دیں۔ یا پکی اینٹوں کے مکان ہوں وہ بھی ایسے جن میں کسان لوگ رہتے ہوں مگر ایسا نہ ہو سکا ان پر خرچ بہت آتا تھا اور وقت بھی زیادہ لگتا تھا۔ تاہم سب چاہتے تھے کہ جلدی سے بستی میں جا سیں۔

جو ہانسبرگ میں گاندھی جی نے اپنے گھر میں رہنے کا سادہ طریقہ اختیار کیا۔ کستور با بھی اسی طرح رہنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ بچوں اور خاوند کو آٹا پینے میں مدد دیتی تھی۔ جب پولک صاحب نے جو اسی گھر میں رہتے تھے شادی کر لی تو کستور با ان کی بیوی کو بڑے آرام سے رکھتی تھی اور اسے کبھی محسوس نہ ہونے دیتی تھی کہ وہ ایک اجنبی عورت ہے۔

گاندھی جی لکھتے ہیں :-
مگر کبھی میری بیوی اور پولک صاحب کی بیوی میں جھگڑا بھی

ہو جاتا تو وہ ویسا ہی ہوتا جس طرح سب گھروں میں ہو جایا کرتا ہے۔
جب گاندھی جی کے ایک اور دوست مسٹر ویسٹ کی شادی ہوئی
تو ان کی بیوی بھی گھر میں بڑی خوشی سے رہتی رہی۔

جب جنوبی افریقہ میں ظلوؤں نے بغاوت کی تو گاندھی جی نے
حکومت برطانیہ کی ہر طرح سے مدد کی اور ہندوستانیوں کا ایک
دستہ ریڈ کراس کے کام کے لئے طیار کیا۔ کستوربانے بھی گاندھی جی
کو مشورہ دے کر ان کی کھوصلہ افزائی کی۔ جو ہانسبرگ کو چھوڑ کر گاندھی
جی کا ارادہ تھا کہ فینکس میں چلے جائیں اور کستوربا وہاں رہے۔
شاید گاندھی جی کو دستے کے ساتھ جانا ہو، کستوربانے بھی یہ تجویز
بڑی خوشی سے قبول کی۔ ویسے بھی اُس نے ایسی باتوں میں کبھی مداخلت
نہیں کی۔ کستوربا کی گاندھی جی بڑی تعریف کرتے ہیں

چنانچہ وہ فینکس چلی گئی اور گاندھی جی ڈربن گئے اور وہاں
ایک بڑا دستہ طیار گیا۔ گاندھی جی فوج کے ساتھ میدان جنگ میں گئے
اور جنگ کی خونریزی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا، گاندھی جی
بڑی سوچ میں پڑ گئے، اگرچہ وہ جنگ کے بڑے برخلاف تھے پھر
بھی ان کو یہ خیال تھا کہ وہ ظلو زخمیوں کی خدمت کر رہے ہیں۔
اور اگر ان کی مرہم پٹی نہ کی جاتی تو بہت سے مہر جاتے۔

جونہی بغاوت ختم ہو گئی گاندھی جی نے مجرد رہنے کا ارادہ کیا
۱۹۰۰ء سے وہ اس قلم کی زندگی کی طیاری کر رہے تھے اور

۱۹۰۶ء کے نصف میں انہوں نے قسم بھی کھالی۔ کستوربانے بالکل کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ خوشی سے گاندھی جی کی مرضی پر عمل کرنے لگ گئی۔ جیسا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور آگے چل کر بھی بتلائیں گے کستوربا ایک مستقل مزاج عورت تھی جب ایک دفعہ لقمین ہو جاتا کہ یہ بات درست ہے تو اس پر ثابت قدم رہنے کے لئے جاں تک حاضر کر دیتی۔ عقیدے کے لئے تو خوشی سے مرنے کو تیار ہو جاتی گاندھی جی اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں۔

”تین دفعہ اپنی زندگی میں میری بیوی اتنی سخت بیمار ہوئی کہ مرتے مرتے بچی۔ علاج بھی گھریلو ہی ہوا کرتا تھا جب پہلی دفعہ بیمار ہوئی۔ تو میں نے ستیہ گرہ شروع کیا تھا۔ اُس وقت اُسے خون بڑا آتا تھا۔ ایک ڈاکٹر جو میرے دوست تھے انہوں نے آپریشن کرنے کی صلاح دی۔ پہلے تو میری بیوی ذرا گھبرائی پھر مان گئی۔ کمزور بہت تھی اور ڈاکٹر صاحب کی رائے تھی کہ کلوروفارم نہ سنگھا یا جائے۔ آپریشن تو ہو گیا مگر درد بڑی سخت ہوئی۔ مگر تھی بڑی بہادر برداشت کر گئی ڈاکٹر صاحب اور ان کی بیوی تن دہی سے خدمت کرتے رہے یہ ڈر بہن کا واقعہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے جو انبرگ

جانے کی اجازت دے دی اور کہہ دیا کہ بیوی کا کوئی فکر مت
کر دو۔

چند روز نہ گذرنے پائے تھے کہ مجھے ایک خط ملا جس میں لکھا
تھا کہ کستور باکی حالت خراب ہے بڑی کمزور ہو گئی ہے اور
بسترے سے اٹھ نہیں سکتی بلکہ ایک دفعہ تو بے ہوش بھی ہو گئی
تھی ڈاکٹر صاحب کو یہ بھی معلوم تھا کہ میری اجازت کے
بغیر میری بیوی کو شراب یا گوشت نہیں دینا۔ مجھے ٹیلیفون
کیا اور اجازت چاہی کہ گائے کے گوشت کا پانی دے دیا
جائے، میں نے اجازت نہ دی مگر کہا کہ البتہ اگر بیوی چاہے
تو جو اس کا جی چاہے سو کرے۔

ڈاکٹر نے کہا کہ مریض کو اپنی مرضی پر کیوں چھوڑا جائے۔ مجھے
بلا بھیجا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر مجھے مریض کا علاج حسبِ نصاب
نہیں کرنا تو میں آپ کی بیوی کے جیتے رہنے کا ذمہ نہیں لے
سکتا۔ میں اسی دن ڈربن روانہ ہو گیا اور ڈاکٹر صاحب سے ملا
انہوں نے مجھ سے اسی وقت کہا کہ گائے کے گوشت کا پانی
تو میں نے آپ کی بیوی کو ٹیلیفون کرنے سے پہلے ہی دے دیا
تھا۔ میں نے جواب میں کہا۔ ڈاکٹر صاحب یہ تو دھوکہ بازی

ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مرلیض کو دو ادینا یا خوراک کے طور پر کوئی چیز دینا اس میں کیا برائی ہے بلکہ ہم ڈاکٹر لوگ ایسا کرنا کوئی برائی نہیں سمجھتے۔ اگر مرلیض کی جان بچتی ہو تو ایسا کرنے سے کیا مضائقہ۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات دہرا دہرا کر لی۔

مجھے دکھ تو بہت ہوا مگر میں چپ ہی رہا۔ ڈاکٹر صاحب ایک تو اچھے آدمی تھے دوسرے میرے دوست بھی تھے۔ انہوں نے اور اُن کی بیوی نے مجھ پر بڑا احسان کیا تھا۔ مگر مجھے اُن کے ڈاکٹری اخلاق سے بالکل ہمدردی نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب سے میں نے کہا تو آپ کیا کرنا چاہے۔ میں تو اپنی بیوی کو کائے کا گوشت یا کوئی اور قسم کا گوشت کبھی نہ کھانے دیتا چاہے وہ مر ہی جاتی۔ ہاں اگر وہ خود کھا لیتی تو اور بات تھی۔

ڈاکٹر صاحب کہنے لگے آپ فلسفہ مت بھکاریئے۔ جب تک آپ کی بیوی میرے زیر علاج ہے میں اُسے جو جی چاہے کھانے کو دوں۔ اگر آپ کو یہ بات پسند نہیں تو آپ اپنی بیوی کو یہاں سے لے جائیے۔ میرے گھر میں کیوں مرے؟ گاندھی جی نے کہا، ڈاکٹر صاحب آپ کی مرضی ہے کہ میں اُسے ابھی یہاں سے لے جاؤں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں نے کب آپ سے کہا ہے کہ اُسے ابھی یہاں سے لے جاؤ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مجھے آزاد کر دو۔ اگر آپ ایسا کر دگے تو میں اور

میری بیوی آپ کی بیوی کی پوری طرح حفاظت کریں گے اور آپ بے فکر ہو کر واپس چلے جائیے۔ اگر یہ سادہ سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تو مجبوراً مجھے یہ کہنا ہی پڑے گا کہ آپ اپنی بیوی کو یہاں سے لے جائیے

میرے بیٹوں میں سے ایک میرے ساتھ ہم رائے تھا۔ وہ بھی یہی کہتا تھا کہ ماں کو گائے کے گوشت کا پانی نہیں دینا چاہیے۔ پھر میں نے کستوربا کے ساتھ اس معاملہ کا ذکر کیا۔ وہ بھی تو بہت ہی کمزور اور اس سے مشورہ کرنا بھی ضروری نہ تھا۔ مگر میں نے اپنے فرض کو نبھانا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ جو باتیں ہوئیں وہ میں نے سب کھول کر بتا دیں کستوربا نے بڑے زور سے کہا کہ میں گائے کے گوشت کا پانی نہیں پوں گی۔ انسانی جامے میں جنم لینا تو ایک ہی بار ہوتا ہے۔ میں تو آپ کے سامنے مر جاؤں گی مگر اپنے جسم کو ناپاک نہ کرونگی میں نے بہت سمجھایا۔ اور کہا کہ میرے کہنے پر مت چلو بہت سے ہندو دوستوں وغیرہ کی مثالیں پیش کیں جو دوا کے طور پر شراب اور گوشت بھی کھاتے رہے ہیں مگر وہ نہ مانتی تھی اس نے اصرار کیا کہ مجھے یہاں سے لے چلو مجھے اس بات کو خوشی تو ہوئی مگر بڑے اضطراب کی حالت میں میں نے اُسے وہاں سے لے جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب

سے بھی کہہ دیا کہ کستوربا یہاں سے جانا چاہتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑے غصہ سے کہا کہ تم عجیب بے ڈھب آدمی ہو۔ ایسی کمزوری کی حالت میں تم نے یہ سب بات اپنی بیوی سے کیوں کہہ ڈالی۔ میرے خیال میں آپ کی بیوی بہت کمزور ہے اور ابھی جانے کے قابل نہیں۔ ذرا سی حرکت ہونے سے بھی خرابی ہو جائے گی۔ کیا معلوم ہے لے جاتے ہی راستہ میں مر جائے اگر آپ ضد کرتے ہیں تو لے جائے۔ اگر آپ اسے گائے کے گوشت کا پانی دینے کے لئے تیار نہیں تو میں اسے ایک دن بھی اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔

ہم نے ڈاکٹر صاحب کا گھر چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت ذرا بارش ہو رہی تھی اور سٹیشن بھی دور تھا۔ ڈربن سے ہم فینکس ریل گاڑی سے جانا تھا اور ہماری بسی سٹیشن سے ۲۷ میل کے فاصلہ پر تھی۔ کستوربا بیمار تھی۔ میں نے کسی کے ہاتھ سٹرو لیٹ کو پہلے ہی کہلا بھیجا کہ ہمیں سٹیشن پر لینے آئے اور ساتھ ایک ڈولی اور چھہ حال اٹھانے کے لئے گرم دودھ کی بوتل اور ایک گرم پانی کی بوتل لیتا آئے۔ ہم نے چلتے وقت ایک رکشا بھی لے لی اور کستوربا کو اسی میں لے گئے۔ میری بیوی ذرا نہ گھبراتی تھی بلکہ مجھ سے کہتی تھی کہ کچھ نہیں ہو گا تم مت گھبراؤ وہ بڑی کمزور ہو گئی تھی، اس کی

ٹہریاں نکل آئی تھیں۔ پلیٹ فارم بڑا لمبا چوڑا تھا۔ رکشا اندر جانا سکتی تھی اور بہت سا فاصلہ پیدل جانا ہوتا تھا۔ میں نے کستوربا کو گودی میں اٹھایا اور گاڑی میں بٹھلا دیا۔ فینکس پہنچ کر ڈولی میں لے گئے اور پانی والے علاج سے وہ روز بروز چھی ہوتی چلی گئی۔

ابھی ہمیں فینکس میں پہنچے دو تین دن ہی ہوئے تھے کہ ایک سوامی جی وہاں پہنچ گئے انہوں نے کہیں سے سنا تھا کہ ہم نے ڈاکٹری علاج کو گوشت وغیرہ کی وجہ سے بند کر دیا ہے۔ جب سوامی جی ہمارے ہاں آئے تو میرے بیٹے منی لعل اور رام داس دونوں ہاں موجود تھے۔ سوامی جی کہنے لگے کہ گوشت کھانا دھرم کے نقطہ نظر سے برا نہیں ہے اور منو کا حوالہ دینے لگے۔ مجھے ان کی یہ بحث خاص کر کے کستوربا کے سامنے بالکل پسند نہ تھی۔ مگر میں چپ ہی رہا۔ مجھے منوسمرتی کے حوالے معلوم تھے میرے دل پر اُن کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ منتر بعد میں منوسمرتی میں شامل کر دئے گئے تھے۔ اور اگر یہ بات بھی نہ تھی تو بھی میری رائے تھی کہ بسریوں وغیرہ کا کھانا گوشت کھانے کی نسبت بہت بہتر ہے اور میری بیوی کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ وہ منوسمرتی کے منتروں سے بالکل بے خبر تھی۔ جو باپ دادا مانتے آئے تھے اُس کے لئے وہی کافی تھا۔ میرے لڑکے بھی میرے ساتھ اتنا ساق کرتے۔ انہوں نے سوامی جی کی باتوں کی کھپہ پر واہ نہ کی۔

کستور بابل اٹھی۔ سوامی جی آپ کچھ بھی کہو میں تو کھائے کے
گوشت کا پانی ہرگز نہ پیونگی۔ میں اچھی ہوں یا نہ ہوں۔ آپ زیادہ
مت بولو۔ میرے فائدہ اور بچوں سے بحث کرتے رہو۔ مجھے
کچھ نہ کہو۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔

جن دنوں گاندھی جی جنوبی افریقہ میں رہتے تھے اُن دنوں کا
ذکر کرتے ہوئے ستیہ گره کے متعلق ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ اُس کی یاد نہایت ہی خوش کُن ہے۔ لگتے ہیں۔

”آپرین کے بعد جب کستور باکو کچھ آرام آیا تو تھوڑے دنوں
بعد پھر خون آنے لگا۔ مستقل طور پر بیماری اچھی نہ ہوئی تھی۔ پانی کا علاج
بھی کافی نہ تھا۔ ایک تو میری بیوی کو میرے علاج پر بھروسہ نہ تھا
اگرچہ وہ علاج کرتی بھی جاتی تھی۔ اور کوئی علاج بھی نہ کرتی تھی۔
جب مجھے کامیابی نہ ہوئی تو میں نے اُس سے کہا کہ دال اور نمک
کھانا چھوڑ دو۔ مگر وہ نہ مانتی تھی۔ میں نے بہت سمجھایا اور دلہیں
بھی دیں۔ آخر کہنے لگی کہ اگر آپ سے کہا جائے کہ ان چیزوں کو چھوڑ

— دو

تو آپ بھی نہ چھوڑ دو گے۔ مجھے یہ سن کر دکھ بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی
خوشی اس بات کی ہوئی کہ مجھے اپنی محبت کا ثبوت دینا پڑا۔ میں
نے اُس سے کہا کہ تم غلط کہتی ہو۔ اگر میں بیمار ہوتا اور ڈاکٹر مجھے
کہتا کہ ان چیزوں کو چھوڑ دو۔ یا کسی اور چیز کے چھوڑنے کے لئے
کہتا تو میں فوراً مان جاتا۔ ابھی لو۔ اگرچہ ڈاکٹر نے بھی مجھے نہیں
کہا۔ میں ایک سال کے لئے دال اور نمک کھانا چھوڑ دیتا ہوں۔
تمہاری مرضی ہے تم چھوڑو یا نہ چھوڑو۔

کستور باحیران ہوئی اور سرد آہ بھر کر کہنے لگی۔ مجھے معاف
کر دو۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں آپ کو اس طرح رنجیدہ نہ کرتی۔ آئندہ
ایسا نہ کروں گی۔ خدا کے واسطے اپنی قسم واپس لے لو۔ یہ
میرے لئے بڑا سخت ہے۔

گانڈھی جی کہنے لگے کہ اگر تم ان چیزوں کا کھانا چھوڑ دو تو
بلاشبہ تم بڑی جلدی اچھی ہو جاؤ گی۔ میں تو اب قسم واپس نہ
لوں گا۔ اور مجھے تو ہر حالت میں فائدہ ہی ہو گا۔ جس طرح بھی
انسان نفس کشی کرے اس میں فائدہ ہی ہوتا ہے۔ مجھے رہنے دو۔
میری آزمائش ہو جائے گی اور اس بہانے سے تم بھی حوصلہ سے
یہ کام کرو گی۔

میری بیوی نے میری تو یہ کہہ کر خلاصی کی کہ آپ تو بڑے ضدی
ہو آپ کبھی کی بات نہیں مٹتے اور یہ کہہ کر رونے لگی۔ پھر وہ اچھی

ہوتی گئی۔ شاید وجہ یہ تھی کہ اُس نے دال اور نمک کھانا چھوڑ دیا
 تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خوراک تبدیل کر دی گئی تھی اور میں بھی
 اُسے کوئی بد پرہیزی نہیں کرنے دیتا تھا یا اُس کے صحت یاب
 ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مذکورہ بالا واقعہ دل خوش کن تھا بہر
 صورت وہ بہتر ہوتی گئی۔ خون آنا بالکل بند ہو گیا اور میں بھی
 نیم حکیموں کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔

بستی میں گاندھی جی لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت میں
 مشغول رہتے تھے۔ کستور بانے گاندھی جی کو اس معاملہ میں بہت کچھ
 کہا سنا مگر وہ نہ مانے۔ اُس میں وہ حق بجانب تھی۔ جب گاندھی نے سنا
 کہ آشرم کے رہنے والوں میں سے دو شخص بد فعلی کے مرتکب ہوئے
 ہیں تو انہوں نے سات دن تک کچھ نہ کھایا اور ۱۲ ماہ تک صرف
 ایک وقت کھانا کھانے کا پر ن کیا۔ جب معاملہ اور پیچیدہ ہو گیا تو
 انہوں نے دو ہفتہ تک بھوک مہڑتال جاری رکھی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سن ۱۹۱۷ء میں بستی میں گاندھی جی اور
 اُن کے دوستوں نے سٹیہ گری طیار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ریل کاسٹن
 بستی سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر تھا اور جوہانسبرگ وہاں سے
 ۲۱ میل کے فاصلہ پر تھا۔ کھیتوں کے لئے یا مکان بنانے کے لئے کوئی
 ملازم نہ رکھے جاتے تھے۔ بستی والے سب کام خود کرتے تھے۔
 یہاں تک کہ کھانا پکانے اور مہتر کا کام بھی خود کیا کرتے تھے۔

بستی میں بچوں کے لئے مدرسہ تھا اور بڑھی کے کام کے لئے اور جوتے بنانے کے لئے کارخانے بھی تھے۔ کستور باکو بھی اپنے ہاتھ سے کام کرنا ہوتا تھا۔ گاندھی جی نے اپنے دوست رتن ٹاٹا کو جو خط ۱۹۱۲ء میں تحریر کیا اس میں جو لکھا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

”بستی کے سکول اور باورچی خانے میں کوئی تنخواہ خارجہ ملازم نہیں رکھے جاتے تھے، میری بیوی اور سودہا کی بیوی اور دو تین سکول کے شاگرد کھانا پکاتے تھے اور ایک ہفتہ تک کام کرتے تھے اور دوسرے ہفتہ میں بدل دے جاتے تھے۔ تباکو، شراب اور گوشت کی باورچی خانے میں آنے کی نمانت تھی۔“

جب ستیہ گرہ جنوبی افریقہ میں جاری کیا گیا تو گاندھی جی عورتوں کو آشرم میں داخل نہ کرتے تھے، مگر کچھ عرصے بعد ان کو اجازت ہو گئی۔ کستور با اور رام داس اور کچھ اور ستیہ گرہی گرفتار ہونے کے لئے طیار ہو گئے۔ گاندھی جی لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو اس بات کا ذکر نہ کیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ میری کسی تجویز پر اعتراض نہ کرے گی۔ مگر اُس کے ہال کر دینے سے بھی اس کے دل کی حالت معلوم نہ ہو سکتی تھی، اور ایسے اہم معاملہ میں خاوند کو بیوی کو مجبور کرنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ آپ وہ جو جی چاہتا کرتی اور اگر وہ خود قدم نہ اٹھاتی تو ایسا نہ کرنے پر مجھے اُس سے ناراض

ہونے کا بھی حق نہ تھا۔ میں نے دوسری عورتوں سے اس معاملہ کا ذکر کیا اور انہوں نے میری بات مان لی اور جیل جانے کے لئے طیارہ ہو گئیں۔ بلکہ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ جتنی دیر قید میں رہنا پڑا وہ رہیں گی۔ میری بیوی نے مجھے اُن عورتوں سے بات چیت کرتے ہوئے سُن لیا اور کہنے لگی۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ نے مجھ سے ساری بات نہ کی۔ بھلا مجھ میں کونسی کمی ہے کہ میں جیل نہیں جاسکتی۔ میں بھی وہی راستہ اختیار کرنا چاہتی ہوں جو آپ دوسروں کو بتا رہے ہیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ میں تم کو کسی طرح کا دکھ نہیں دینا چاہتا۔ مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ تم جیل جانا چاہتی ہو مگر لوگ ایسا نہ کہیں کہ تم نے یہ کام میرے کہنے پر کیا ایسے معاملے میں انسان کو اپنی ہمت اور دلیری سے کام لینا چاہیے۔ اگر میں تم سے کہتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ تم میرے کہنے سے جیل میں گئی ہو۔ اور جب عدالت میں پیش ہوتی اور تم گھبرا جاتی یا جیل کی سختی تم سے برداشت نہ ہوتی تو میں کیا منہ دکھاتا۔ اُس حالت میں تم بے قصور ہوتی اور ساری برائی میرے ماتھے آتی۔ یہ وہ جہتی کہ میں نے صاف صاف تم سے نہ کہا۔

Satyagraha in South Africa, p. 425, 426,

C. F. Andrews.

کستوربانے کہا کہ اگر میں جیل جاتی اور پھر معافی مانگ کر وہاں سے رہائی پاتی تو آپ میرے ساتھ تعلقات توڑ دیتے۔ اگر آپ اور میرے لڑکے جیل کی سختیاں برداشت کر سکتے ہیں تو کیا میں نہیں کر سکتی؟

گانڈھی جی نے تب کہا کہ اگر یہ ہی بات ہے تو تم بھی آؤ تمہیں میری شرائط تو معلوم ہی ہیں اور میرے مزاج سے بھی واقف ہو۔ اب بھی وقت ہے پھر سوچ بچار کر لو اور اگر خوب غور کرنے کے بعد بھی تم شامل نہ ہونا چاہو تو مرت ہو۔ اس میں کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔

کستوربانے جواب میں کہا کہ اس میں سوچنے کی کونسی بات ہی میں بالکل تیار ہوں۔

چنانچہ کستوربا اور پنڈرہ اور ٹرانسوال کی حدود میں بغیر پرمٹ کے داخل ہونے کے جرم میں ”تین ماہ سخت قید کی سزا پا گئے اور یہ حکم ۲۳ ستمبر ۱۹۱۳ء والے دن سنایا گیا۔

جج سرل جو عدالت عالیہ کے جج تھے انہوں نے ۴ مارچ ۱۹۱۳ء کے ایک فیصلہ میں ہندوستانی عورتوں کی بڑی بے حرمتی کی یعنی جنوبی افریقہ میں جو شادیاں عیسائی طریقے پر ہوئی تھیں اور رجسٹرار کے دفتر میں رجسٹر ہو چکی تھیں ان کو تو جائز قرار دیا اور باقی سب شادیاں ناجائز قرار دی گئیں۔ یعنی ہندوؤں مسلمانوں اور

پارسیوں کی شادیاں یک قلم نا جائز اور بے قانونی قرار دے دی گئیں۔ اس فیصلہ کے برخلاف آواز اٹھانے کی وجہ سے مذکورہ بالا سزا دی گئی۔

جس بھت اور بہادری سے ہندوستانی عورتیں جیل میں گئیں وہ قابل تحسین ہے۔ سب کو مارٹن بزرگ جیل میں قید کر دیا گیا۔ اور ان کو تکلیفیں میں دی گئیں۔ خوراک بڑی خراب تھی اور ان کو کپڑے دھونے کا کام دیا گیا۔ جب قید سے باہر آئیں تو ایک عورت موٹے گرنچر ہو گئی تھی۔ ایک اور عورت کو سب رانے لگا اور جیل سے باہر آنے کے چند روز بعد وہ مر گئی۔

کستور باکو کئی دفعہ جیل جانا پڑا۔ اُس کی صحت بڑی خراب ہو گئی۔ انڈریوز صاحب ایک دفعہ جب وہ ناٹال جیل سے باہر آئی تو اُس سے ملے۔ وہ نکھتے ہیں۔

عورتیں جب جیل سے باہر آتی تھیں تو بہت سی کی صحت باطل ہو جاتی تھی۔ قید کی زندگی بڑی ہی سخت ہو کرتی تھی اور ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ گاندھی جی کی بیوی نے تو بہت تکلیف سہاری اور جب میں اُن سے پہلی دفعہ ملا مجھے یہ محسوس ہوا کہ اُن کی صحت اب اچھی نہ ہوگی۔ اُن کی حالت اس قدر خستہ تھی۔

کتوربا بھی پہلی دفعہ جبل سے باہر آئی تھی اور قید بھی ایک غیر ملک میں۔ البتہ انہوں نے اپنے وقت کو اچھی طرح نبھایا۔

گانڈھی جی نے آٹھ سال اسی طرح گزارے اور ستیہ گرہ جاری رہا۔ کئی دفعہ جبل میں گئے اور ایک سچے وطن پرست کی طرح تکلیفیں جھیلتے رہے۔ اسی دوران میں آپ ایک دفعہ انگلستان بھی گئے اور وہاں حکومت انگلشیہ کے سامنے جنوبی افریقہ میں جو ہندوستانی آباد تھے ان کی حالت زار کہہ سائی، گو کھلے صاحب اپنے ہندوستانی ہم وطنوں کی داستان سُن کر اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ سال ۱۹۱۷ء میں وہ جنوبی افریقہ گئے۔ وہاں کی حکومت جب کوئی بس نہ چلتا تو کہتی چھا ہم یہ کریں گے اور وہ کریں گے، اور جب موقعہ آتا تو اپنے وعدوں کو توڑ دیتی۔ گانڈھی جی کے دل پر ان باتوں کا بڑا اثر ہوتا اور اُن کا نظریہ تبدیل جاتا۔ بہت لوگ اُن کے پیچھے لگ گئے اور وہ اُن کی رہنمائی کرنے لگے۔

سوامی جی بھوانی دیال کتوربا کے متعلق یوں لکھتے ہیں۔
جب میں جنوبی افریقہ میں آج سے ۳۱ سال پہلے پہنچا تو میں کتوربا جی سے فینکس میں ملا۔ یہ مقام ڈربن کے مشہور شہر سے کوئی ۴۰ میل کے فاصلہ پر نائٹل کے شمالی ساحل پر واقع ہے۔ یہاں گانڈھی جی کا آشرم ہے جہاں وہ رہتے تھے اس آشرم میں طریق زندگی بالکل سادہ اور باقاعدہ تھا۔ البتہ جب کوئی

قومی انقلاب ہوتا تو نقشہ بدل جاتا۔

بستی کے لوگ صبح چھاپے خانے میں کام کرتے۔ اخبار ہفتہ وار نکلتا تھا۔ اس میں جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی تکالیف اور مشکلات کا ذکر ہوتا رہتا تھا۔ بعد دو پہر بستی والے کھیتی باڑی کا کام کرتے اور سبزیاں اور پھلوں وغیرہ کی پیداوار میں مشغول رہتے تھے۔ شام کو اکٹھے ہو کر پراگھنا کرتے تھے۔ رات بھر آرام کرتے اور دوسرے دن پھر کام میں لگ جاتے۔

اس مجمع کے رہنما وہی پتلے دُبلے گاندھی جی تھے۔ وہ سب سے زیادہ کام کرتے تھے اور سب سے زیادہ مضبوط بھی تھے۔ جہاں نوجوان کامیاب نہ ہوتے تھے وہاں انھیں طلب کیا جاتا تھا۔ بستی بھر کا بوجھ سر پر اٹھائے پھرتے تھے۔ آسٹریلیا کے بوری بنانے والے کیرٹے کی فیض اور ایک زیر جامہ پہنے رہتے اور بیرسٹری کی پوشاک ایک طرف رکھ دی تھی۔ تین ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی کو لات مار کر گاندھی جی ایک معمولی کسان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

فینکس کا آشرم کیا تھا ایک تجربہ گاہ تھا۔ جہاں گاندھی جی اپنی زندگی کی ساتھن کستوربا سے مل کر سچائی کے متعلق تجربے کیا کرتے تھے۔ میں اس آشرم میں چند ماہ رہا۔ ۱۹۱۴ء میں بھی قید سے رہا ہوا تھا۔ میں انڈین اوپینین کا ایڈیٹر (ہندی حصہ)

“Indian Opinion.”

رہ چکا تھا، یہ ہفتہ وار اخبار گاندھی جی نے سنہ ۱۹۰۳ء میں شروع کیا تھا میں کستوربا سے اکثر ملتا رہتا تھا اور جتنا زیادہ اُن سے ملتا اتنا ہی اُن کو زیادہ پسند کرتا تھا۔ وہ اگرچہ پڑھی لکھی نہ تھیں اور اُن کی شادی کم سنی میں ہوئی تھی۔ پھر بھی تعلیم یافتہ سے زیادہ سمجھ دار تھیں اور مدلل بات چیت کرتی تھیں اور جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے حقوق کے لئے جدوجہد کرتی رہتی تھیں۔

جب میری بیوی قید سے چھوٹ کر آئی تو ڈربن میں بیمار ہو گئی ڈاکٹر علاج سے قاصر تھے۔ گاندھی جی نے اُسے فینکس بلا بھیجا اور سٹیشن پر ایک ہاتھ گاڑی لے کر گئے اور میری بیوی کو اُس میں بٹھلا کر لے آئے۔ خود اکیلے گاڑی چلاتے تھے اور کسی دوسرے شخص کو ہاتھ نہ لگانے دیتے تھے۔ آشرم سٹیشن سے آشرم تک ۱۲ میل کا فاصلہ تھا۔ کستوربا میری بیوی کی دیکھ بھال کرتی رہی اور اس قدر حفاظت کی کہ اس کی جان بچ گئی۔ خود کستوربا ابھی قید سے رہا ہوئی تھی اور ان کی صحت بھی اچھی نہ تھی مجھے ابھی تک وہ دردناک نظارہ یاد ہے، ایک ہفتہ تک میری بیوی کو کیمچر کا بستر لگانے سے بڑا فائدہ ہوا۔ وہ چلنے لگ گئی گاندھی جی اور سب کام بھی کرتے تھے اور ڈاکٹر بھی تھے کستوربا آشرم میں ایک طرح کی نرس ہی تھیں۔

میں ان دنوں کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ گاندھی جی اور
 کستوربا کی ہم نشینی نے میری زندگی کو بہت کچھ بدل دیا۔
 میں دولت کمانے اور عیش کی زندگی بسر کرنے ناٹال گیا تھا
 مگر جب گاندھی جی اور ان کی بیوی سے فینکس میں ملاقات
 ہوئی تو میں نے اپنے ہم وطنوں کی خدمت کے لئے اپنی لیاقت
 کے مطابق اپنی زندگی وقف کر دی۔

ہندوستان کی طرف واپسی

جب گاندھی جی نے سنا کہ گھوکھے صاحب انگلستان میں بیمار پڑے ہیں تو آپ ان کی تیمارداری کے لئے وہاں چل دیئے جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہ ختم ہو چکا تھا۔ ۱۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو گاندھی جی بعد اپنے دوست کلن بآش اور ان کی بیوی بچوں کے ساتھ انگلستان کو روانہ ہو گئے اور ۶ اگست کو لندن جا پہنچے۔ دو دن پیشتر جنگ عظیم شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت گو کھنے صاحب پیرس میں تھے اور راستہ بند ہو جانے کی وجہ سے لندن نہ آ سکتے تھے۔

گاندھی جی انگلستان میں نکلے نہ بیٹھے، ہزاروں انگریز لڑائی میں

حصہ لینے کے لئے طیارہ مہور ہے تھے۔ گاندھی جی کا خیال تھا ایسے نازک وقت میں ہندوستانیوں کو انگریزوں کی مدد کرنی چاہیے۔ لندن میں ہندوستانی رضا کاروں کا ایک دستہ بنایا جو ریڈ کراس کا کام کریں۔ خود بھی اس میں شامل ہو گئے اور اپنی بیوی کو بھی شامل کیا۔ بیوی ابھی بیماری سے اٹھی ہی تھی، اور خود گاندھی جی بھی ۱۲ دن کی بھوک ہسپتال سے فارغ ہوئے تھے۔ ریڈ کراس کے ساتھ کام کرنے سے بھٹیٹے میں پانی پڑ گیا۔ گوگلے صاحب لندن پہنچے اور کچھ ہفتے وہاں ٹھہر کر جنوری ۱۹۱۵ء میں واپس ہندوستان آئے۔ گاندھی جی اور کستور با بھی ان کے پیچھے ہندوستان آئے۔

گوگلے صاحب نے ہندوستان پہنچ کر گاندھی جی کا بڑے شوق و ذوق سے استقبال کیا، کیوں نہ ہوتا گاندھی جی ان کے شاگرد تھے۔ باوجود صحت خراب ہونے کے گوگلے صاحب پونہ سے ممبئی گئے گاندھی جی کا قیام کچھ دن ممبئی میں رہا اور چند استقبالیہ جلسے بھی ہوئے۔ ممبئی سے پونہ اور راج کوٹ ہوتے ہوئے گاندھی جی اور کستور با شانتی نیکٹن گئے اور وہاں سے کنبھ میلا دیکھنے ہردوار چلے گئے اور سوامی شردھانند جی کی دعوت قبول کرتے ہوئے گوردوکل کانگریز بھی دیکھا۔ ضمناً رشی کیش، بچھمن جھولا اور سورگ آشرم بھی ملاحظہ کیا۔ کستور با اس سفر میں ان کے ساتھ ہی تھیں۔

شروع ۱۹۱۵ء میں جب خطابات عطا ہوئے تو کانڈھی جی کو جو خدمات انہوں نے انگلستان میں ریڈ کر اس کے متعلق سرانجام دی تھیں کے عوضانہ میں قیصر ہند سہری تمغہ عطا ہوا۔ چھ سال بعد جب کانڈھی جی نے عدم تعاون کی تحریک شروع کی تو یہ تمغہ حکومت ہند کو واپس دے دیا گیا۔ جب کانڈھی جی پونے میں گئے تو گوکھلے صاحب نے ان سے سرو سنٹر آف انڈیا سوسائٹی کا ممبر بننے کے لئے کہا مگر کانڈھی جی نہ مانے اگر وہ ممبر بن جاتے تو آج ہندوستان کی سیاسی زندگی کا نقشہ اور ہوتا۔

۲۵ مئی ۱۹۱۵ء کو کانڈھی جی نے احمد آباد میں ستیہ گرہ آشرم کی بنیاد ڈالی اور کستور با بھی آشرم میں داخل ہوئی۔ آشرم میں رہنے والوں کی زندگی عام گریہتوں جیسی ہو کرتی تھی مگر کھانا سب کو ایک جگہ کھانا ہوتا تھا۔ ایک قاعدہ جو سب کے لئے تھا وہ یہ تھا کہ سب کو غریب ہو کر رہنا پڑتا تھا اور یہ قسم لینی پڑتی تھی کہ ہم ایسی زندگی اختیار کرتے ہیں۔ اسی سال کانڈھی جی انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس میں شامل ہونے کے لئے بیٹھے گئے۔ دوسرے سال اجلاس لکھنؤ میں ہوا اور وہاں کانڈھی جی کی ملاقات ایک بہار کے کانگریسی سے ہوئی جنہوں نے ان کو چیمپارن کے نیل کے کھیتوں میں رعایا

کی حالت زار دیکھنے کے لئے دعوت دی۔ ۱۹۱۷ء کے شروع میں جب گاندھی جی کلکتے گئے تو وہاں سے واپسی پر مظفر پور اور موتی ہری کے راستے آئے۔ حکام نے انھیں ان شہروں میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی مگر گاندھی جی نے حکم نہ مانا۔ ایسا کرنے پر ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ ۱۸ اپریل والے دن جب عدالت میں پیش ہوئے تو گاندھی جی نے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے بیان دیا جس میں وہ وجوہات بھی بتلائیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ کچھ دنوں بعد پھر پیشی ہوئی اور لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ حکومت نے مقدمہ واپس لے لیا اور گاندھی جی کو رہا کر دیا گیا۔ چنانچہ گاندھی جی حسب معمول عیت کی حالت کی دیکھ بھال کرتے رہے۔

گاندھی جی نے رعایا کی حالت بہتر بنانے کا کام شروع کر دیا اور رضا کاروں کا دستہ طیار کیا جو لوگ اس کام کے لئے راضی ہوئے۔ اس میں ایک کستور با بھی تھی۔ مدرسے ابتدائی تعلیم کے لئے کھولے گئے اور دیہاتیوں کو صاف ستھرا رہنا سکھایا گیا، ایک مدرسہ کستور با کے سپرد کیا گیا گاندھی جی کا ارادہ بہار میں مدت تک ٹہرنے کا تھا اور جو کام انہوں نے شروع کیا تھا اسے پورا کرنا تھا۔ مگر احمد آباد میں کارخانوں کے مزدوروں کی بُری حالت ہو گئی تھی۔ اور گاندھی جی کو جلدی وہاں جانا پڑا۔ چلنے سے پہلے انہوں نے بہار میں ایک تحقیقی کمیٹی مقرر کر دی جب کمیٹی نے رپورٹ شائع

کی تو آئین ساز کونسل میں ایک بل پاس ہوا جس سے چیمپارن کے نیل سازوں کی حالت پہلے سے بہتر بن گئی۔

اسی اثنا میں احمد آباد نئے مزدوروں نے ہڑتال کر دی ۲۱ دن تک کارخانے بند رہے۔ گاندھی جی ان کی رہنمائی کرتے رہے دو ہفتہ تک مزدور عدم تشدد پر قائم رہے بعد جب مزدوروں نے دوسرے مزدوروں پر جو ہڑتال نہ کرتے تھے تشدد کیا تو گاندھی جی نے بھوک ہڑتال شروع کر دی اتنے میں سرمایہ داروں اور مزدوروں میں سمجھوتہ ہونے لگا اور تین بعد گاندھی جی نے بھوک ہڑتال بند کر دی کارخانوں کے مالکوں نے مزدوروں کے مطالبات کو منظور کر لیا۔

اگرچہ گاندھی جی کی مصروفیت کی کوئی حد نہ تھی پھر بھی وہ ستیہ گره آشرم کو نہ بھولتے تھے۔ بہار بھی جاتے اور پھر احمد آباد واپس آ جاتے۔ جن دنوں مزدوروں نے ہڑتال کر رکھی تھی ان ہی دنوں گاندھی جی سامبرستی جیل کے نزدیک زمین لے کر احمد آباد کے آشرم کی بنیاد ڈالی۔

۱۹۱۷ء میں جب انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس کلکتہ میں ہوا اور گاندھی جی وہاں سے احمد آباد آئے تو انہوں نے کھیدا کے کسانوں کا معاملہ ہاتھ میں لے لیا۔ یہ لوگ فصل نہ ہونے کی وجہ سے بھوکے مر رہے تھے۔ حکومت نے معاملہ معاف نہ

کیا اور بچاروں کی حالت بڑی خراب ہو گئی۔ گاندھی جی نے ہر خرید کو شش کی کی اور جب اُن کو نا کامیابی ہوئی تو ستیہ گرہ شروع کر دیا۔ کسانوں نے بھی باوجود تکالیف سہارنے کے بڑی بہت کی۔ برابر ڈٹے رہے اور آخر کسانوں کے مطالبات حکومت کو منظور کرنے پڑے۔

۲۶ اپریل ۱۹۱۸ء کو جو جنگ عظیم کا آخری سال تھا اور سہ ہند نے ایک کانفرنس اس مطلب سے بلائی کہ جنگ میں لوگ مدد کریں۔ گاندھی بھی اُس کانفرنس میں موجود تھے اور لوگ حیران ہوئے جب وہ بھی اس تجویز کے حق میں بولے۔ اور بھرتی کرنے میں انہوں نے ایسی سرگرمی دکھلائی کہ آخر پچیس کے عارضہ سے بیمار ہو گئے۔ بیمار بھی ایسے سخت ہوئے کہ مرتے مرتے نچے۔ گاندھی جی اس کے متعلق خود لکھتے ہیں۔

”اس دن کوئی تقریب تھی۔ اور اگرچہ میں نے کستوربا سے کہہ دیا تھا کہ میں دوپہر کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ مگر پھر بھی اُس نے کھلا ہی دیا۔ میں دودھ اور دودھ کی بنی ہوئی چیزیں نہیں کھاتا تھا، اُس دن گھی کی بجائے نیل میں مٹھائی بنا کر مجھے کھلائی۔ ساٹھ ایک پیالہ پھر کے مونگ بھی دے دیئے مجھے یہ چیزیں بہت اچھی لگتی تھیں اور میں نے کستوربا کو خوش کرنے کے لئے اور مزے کے لئے معمول سے زیادہ

کھالیں۔ شیطان تاک میں لگ رہا تھا۔ اندازے سے زیادہ
 کھا تو گیا ہی تھا۔ موت کا فرشتہ بھی آن پہنچا۔ ایک گھنٹہ کے
 اندر بحیث شروع ہو گئی۔

ابھی اس بُری بیماری سے خلاصی نہ پائی تھی کہ گاندھی جی
 نے ہندوستان کی اتر حالت کو دیکھا۔ اخباروں میں رولٹ
 کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی، حکومت ہند نے سب کے مشورہ کو
 بالائے طاق رکھ دیا۔ خیر خواہوں کی بات نہ سنی۔ ٹھوڑی بہت
 آزاد بھی نہ رہنے دی اور کمیٹی کی سفارشات کے مطابق ایک
 قانون رولٹ ایکٹ کے نام سے پاس کر دیا۔ گاندھی جی نے بڑی
 سرعت سے سارے ہندوستان کا دورہ کیا اور لوگوں کی
 مخالفت کا جائزہ لیا۔ حکومت سے انصاف چاہا اور اس کو اس
 بات سے آگاہ کیا کہ ایسے قانون سے خطرناک حالات پیدا ہو چکا
 کا ڈر ہے۔ حکومت نے کچھ پرواہ نہ کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ
 کوئی سنتا ہی نہیں تو گاندھی جی نے ستیہ گرہ کا ہتھیار استعمال کرنا شروع
 کیا۔ یہ ہتھیار چند مرتبہ پہلے بھی استعمال ہو چکا تھا اور کامیاب
 ثابت ہوا تھا۔ البتہ پوری کامیابی نہ ہوئی تھی۔

گاندھی جی نے حکومت کو پہلے سے آگاہ کر دیا اور سارے
 ہندوستان میں اس بات کا اعلان کیا کہ ستیہ گرہ ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء
 سے باقاعدہ شروع کیا جائے گا۔ اور سارے ملک میں ہڑتال

کردی جائے گی۔ مگر حالات نے کچھ ایسا پلٹا دکھایا کہ ہڑتال ۱۶ اپریل کو ملتوی کرنی پڑی۔ حکومت نے فوراً پیش بندی کی اور گاندھی جی کو پول کے قریب ۱۸ اپریل والے دن گرفتار کر لیا۔ انھیں پنجاب میں داخل ہونے کی ممانعت تھی۔ اور وہ وہاں جا رہے تھے بہت سے اور سیاسی لیڈر بھی گرفتار کر لئے گئے۔ لوگ گھبرا گئے اُن کی کوئی روک تھام کر نیوالا باقی نہ رہا۔ گاندھی جی بھی نہ تھے۔ لوگوں نے عدم تشدد چھوڑ کر تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ ستیہ گرہ جاتا رہا۔ حکومت کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا، اور کئی شہروں میں بلوے شروع ہو گئے۔ گاندھی جی قید میں تھے۔ ستیہ گرہ معطل کر دیا گیا، جلیانوالہ باغ امرتسر کا حادثہ اور دہلی میں اور دیگر مقامات میں گولی چلنا وغیرہ ابھی لوگوں کو بھولانا تھا۔ ایسے واقعات کا دہرانا بے فائدہ ہے، مارشل لاء یعنی فوجی قانون کا اجراء جو پنجاب میں ہوا تھا وہ بھی لوگوں سے چھپانا تھا۔ حکومت ہند نے خوفزدہ ہو کر ہنسٹرنگھٹن کمیٹی مقرر کر دی اور اسی سال اکتوبر میں گاندھی جی کو پنجاب میں داخل ہونے کی اجازت بھی مل گئی۔ لوگ بڑے آزرده تھے اور انہوں نے ہنسٹرنگھٹن کمیٹی کا بائیکاٹ کیا۔ پنڈت مرن موہن مالوی جی نے ایک اور کمیٹی پنجاب کے پرورد واقعات

کی تحقیقات کرنے کے لئے بنا دی۔ اس کمیٹی نے خوب چھان بین کی اور جلیا نوالہ باغ میں گولی چلنے سے جن لوگوں کی جانیں تلف ہوئی تھیں ان کے پس ماندگان کی امداد کا انتظام بھی کیا۔ اس سال انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس امرتسر ہی ہوا اور پنڈت موتی لعل نہرو جی صدر تھے۔ کستور با بھی گاندھی جی کے ساتھ امرتسر آئی۔

جو واقعات پنجاب میں ہوئے ان کی تلافی کا حکومت نے کچھ بندوبست نہ کیا۔ اسی زمانہ میں مسلمان بھی خلافت کے سوال پر گڑبڑا گئے تھے۔ گاندھی جی نے سارے ملک کا دورہ کیا اور عوام کو عدم تعاون اور عدم تشدد کرنے کے لئے کہا۔ اس طرح سے جب لوگ آمادہ تھے تو ستمبر ۱۹۲۰ء میں کانگریس کا ایک خصوصی اجلاس کلکتہ میں ہوا اور لالہ لاجپت رائے نے صدارت کی۔ وہ ابھی امریکہ سے ہندوستان واپس ہی آئے تھے۔ کثرت رائے سے اس اجلاس میں عدم تشدد اور عدم تعاون کا رزلویشن پاس ہوا۔ اور گاندھی جی نے خود سے پیش کیا۔ جب کانگریس کا اجلاس ناگپور میں ہوا تو اس رزلویشن کو پختہ طور پر پاس کیا گیا۔ ۱۹۲۱ء کے آغاز میں دوسرا واسرائے آ گیا لارڈ چیمس فورڈ صاحب چلے گئے اور لارڈ ریڈنگ واسرائے ہو کر آئے۔ وہ پہلے سے ہی بڑے ہر دل عزیز تھے۔ انگلستان میں چیف جسٹس ر

چلے تھے اور وہ بھی جنگ عظیم کے زمانہ میں (۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۸ء تک) امریکہ میں بھی سفیر خارجہ کے عہدے پر ممتاز تھے۔ مئی ۱۹۲۱ء میں من موہن مالوی جی کے توسط سے گاندھی جی وائسرائے سے ملے اسی سال شہزادہ ویلز بھی ہندوستان آئے۔ کانگریس زوروں پر تھی اور ان کا خیر مقدم ہڑتالوں سے ہوا۔ حکومت نے کانگریس کے کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔ احمد آباد میں کانگریس کا اجلاس ہونا تھا اور سی آر داس صاحب نے صدارت کرنی تھی۔ ان کو گرفتار کر لیا گیا اور حکیم اجمل خاں صاحب ان کی جگہ صدر مقرر ہوئے احمد آباد میں گاندھی جی کا آشرم تھا۔ کانگریس بڑی کامیاب ہی کستوربانے بہت کام کیا اور استقبالی کمیٹی کی بڑی مدد کی، اور ڈیلیگیٹوں کی خاطر تواضع میں بڑا حصہ لیا۔ ہندوستان کے ہر شہر سے نمائندے اس کانگریس میں شامل تھے۔

(۷)

واقعات سے پردہ سال

انڈین نیشنل کانگریس کے احمد آباد کے کامیاب اجلاس کے بعد گاندھی جی کچھ دنوں تک سامبرمٹی آشرم میں ہی رہے اور ۱۳ جنوری ۱۹۲۱ء کو اے دن بسپی پہنچے۔ وہاں بڑے بڑے سیاست دانوں کی ایک کانفرنس ہو رہی تھی۔ گاندھی جی نے بھی اس میں شرکت کی، مگر کانگریس کی طرف سے کچھ نہ کہا۔ ادھر حکومت نے کانفرنس کے مطالبات سے بے اعتنائی کی۔ کارکنوں اور دیگر سیاست دانوں کی گرفتاریاں، زباں بندیاں اور جلسوں وغیرہ کی ممانعت نے گاندھی جی کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ستیہ گرہ کی تحریک کو عوام کے لئے جاری کریں۔ چنانچہ

بردولی میں سب تیاری ہوگئی۔

دیکھ بھال کے لئے گاندھی جی ۲۷ جنوری کو احمد آباد سے روانہ ہو گئے۔ اور آشرم کی عورتیں کستوربا کی زیر ادا رت گاندھی جی کے پاس آئیں اور ان کی غیر حاضری میں جو کچھ کرنا تھا اس کے متعلق ہدایات موصول کیں۔ کانگریس کی کارکن کمیٹی نے جو ۲۱ جنوری والے دن سورت میں ہوئی یہ فیصلہ کیا کہ تحریک بردولی سے شروع کی جائے۔ چنانچہ ریم فروری کو دائرے کو بھی مطلع کر دیا گیا اور حکومت ہند کی طرف سے ۶ فروری کو جواب آیا کہ تمہارے سب مطالبات رد کئے جاتے ہیں۔ اسی اثنا میں مسٹر جناح اور ان کے ساتھی بمبئی میں ایک اور کانفرنس کر رہے تھے اور ۹ جنوری سے اپنے مطالبات کے متعلق تاریخ پر تار دے رہے تھے مگر دائرے صاحب چپ تھے۔ آخر ۳۰ جنوری کو جواب آیا کہ گول میز کانفرنس نہیں ہو سکتی۔ ۷ فروری کو گاندھی جی نے دائرے کو آخری فیصلے سے مطلع کر دیا اور کہا ۱۲ تاریخ سے سٹیگرہ شروع کیا جائے گا مگر معاملہ بگڑ گیا۔ ۸ فروری والے دن جو اخبار شائع ہوئے ان میں جوڑی جوڑا والا دردناک واقعہ بیان کیا گیا۔ گاندھی جی نے تحریک منقطع کر دی اور پانچ دن تک بھوک ہڑتال کی۔ ۷ فروری شام کو کچھ کھایا۔ جب کستوربانے یہ خبر سنی تو فوراً

ہردولی پہنچی۔ اس کے ساتھ انسویا بن اور سنتام صاحب کی بیوی بھی تھی یہ ۱۵ فروری کا واقعہ ہے۔ باقی عرصہ کستوربا گاندھی جی کے پاس ہردولی میں رہی اور اُن کی خدمت گزاری میں مشغول رہی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے لئے گاندھی جی دہلی گئے۔ اس کمیٹی میں ستیہ گرو چھوڑ دینے کی تجویز پاس ہو گئی۔ گاندھی جی کی بڑی مخالفت ہوئی مگر وہ آڑے رہے اور "ینگ انڈیا" اور "نوجیون" میں اس کے متعلق مدلل مضامین لکھتے رہے۔

کچھ ہفتوں سے گاندھی جی کی گرفتاری کی افواہیں اڑ رہی تھیں مگر ۱۰ مارچ بروز جمعہ انھیں ۱۰ بجے گرفتار کیا گیا وہ سا برمتی آشرم میں ہی تھے۔ حسب معمول جیل جانے سے پہلے سب سے ملاقات کی کستوربا اور آشرم میں رہنے والے لوگ اُن کے ساتھ جیل کے دروازے تک گئے۔

گاندھی جی اور ان کے ساتھی شنکر لعل بنگر پر مقدمہ چلایا گیا گاندھی جی نے تین مضمون "ینگ انڈیا" میں شائع کئے تھے ۸ مارچ کو انھیں چھ سال کی قید کا حکم دیا گیا۔ ۱۰ مارچ سے ۲۰ مارچ تک وہ سا برمتی جیل میں رہے۔ رات کو انھیں وہاں سے کسی نامعلوم مقام پر لے گئے۔ آشرم میں دو دن تک اُن کے متعلق کوئی خبر نہ تھی۔ شری کرشن داس جی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اُن دنوں کستوربا

نہ زندوں میں تھی نہ مردوں میں۔"

بعد میں غیر سرکاری طور پر پتہ چلا کہ گاندھی جی اور سنکر لعل جی پونہ کے نزدیک یروادہ جیل میں لے جائے گئے۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کہ گاندھی جی کے گرفتار اور قید ہو جانے سے کستوریا پر یاس چھا گئی تھی۔ بالکل نہیں۔ اُس نے ایک بہادر عورت کی طرح یہ سب کچھ بڑی ہمت سے برداشت کیا۔ اپنے ملک کے مردوں اور عورتوں کے نام جو اپیل شائع کی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بڑی استقلال والی عورت تھی۔ اُس نے اُن سے کہا کہ ہمت مت ہارو اور ایک تعمیری پروگرام اُن کے سامنے رکھا اور کہنے لگی کہ آزادی کے علم بردار (گاندھی جی) کی غیر حاضری میں اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اس کا کہنا یہ تھا۔

میرے پیارے ہم وطنو

"آج میرے خاوند کو چھ سال کے لئے قید کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ ایسی سخت سزا کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا ہے۔ مگر مجھے یہ خیال تسکین دیتا ہے کہ اگر ہم سب مل کر کوشش کریں تو گاندھی جی کی قید کم ہو سکتی ہے، بلکہ وہ بیش از وقت رہائی پاسکتے ہیں۔ اس میں بالکل کوئی شک نہیں کہ اگر ہم جاگیں اور تعمیری پروگرام جو کانگرس نے دے رکھا ہے اس کو چلاویں تو نہ ہی ہم گاندھی جی کو رہا کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے

بلکہ ہماری تین باتوں کا جن کے لئے ہم ۱۰ سال سے کوشاں ہیں
 حل بھی تسلی بخش طریقے سے ہو جائے گا۔ علاج تو ہمارے ہاتھ
 میں ہی ہے۔ اور اگر ہمیں ناکامی ہوتی ہے تو بھی ہمارا ہی قصور
 ہے۔ اس لئے جو مرد اور عورتیں مجھ سے پیار کرتی ہیں اور میرے
 خاندان کی عزت کرتی ہیں۔ انھیں چاہیے کہ تعمیری پروگرام پر
 پوری تن دہی سے عمل پیرا ہوں اور اسے کامیاب کر کے دکھلائیں۔
 اس پروگرام میں گاندھی جی نے چرخے اور کھدر پر پڑا
 زور دیا ہے۔ عوام کے لئے ان دونوں کے ذریعہ ہی اقتصادی
 مسائل کا حل ہوگا۔ اور ہمارے ملک کو سیاسی آزادی حاصل
 ہوگی۔ گاندھی جی کے قید ہونے کا ہندوستان کی طرف سے
 جواب یہ ہونا چاہیے:-

(۱) ہم ہندوستانی (مرد اور عورتیں) غیر ملکی کپڑا بالکل نہ
 پہنیں گے اور کھدر استعمال کریں گے، اور دوسروں کو بھی
 اسی کو استعمال کرنے کی ترغیب دیں گے۔

(ب) ہم سب عورتیں چرخہ کاتیں گی اور سوت تیار کریں
 گی اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیں گی۔

(ج) ہم سب بیوپاری غیر ملکی کپڑے کی خرید و فروخت
 بند کر دیں گے۔

۱۲ جنوری ۱۹۲۲ء والے دن گاندھی جی کو سیرداد جیل سے پونا

کے ساسون ہسپتال میں لایا گیا اور۔ ان کے رات کو اپنڈی سائٹس کی بیماری کے لئے چیرا دیا گیا۔ گاندھی جی بائیس ماہ جیل میں رہ چکے تھے اور آشرم کا سب انتظام کستور باکرتی تھی۔ جب اُسے گاندھی جی کی بیماری کی خبر ملی تو وہ بڑی دلگیر ہو گئی۔ ۱۶ جنوری بروز دو شنبہ کستور با اور انسویا بن پونا کے ہسپتال میں پہنچیں اور گاندھی جی سے ملیں۔ جیل اور ہسپتال کے حکام کی طرف سے ان دونوں کو گاندھی جی کے پاس رہنے کی اجازت تھی تاکہ ان کی تیمارداری کر سکیں اور سب طرح کی سہولتیں بھی مہیا کی گئیں۔ ایک دن بعد جب گاندھی جی کے لڑکے رام داس اور دیو داس بھی ہسپتال پہنچ گئے۔ گاندھی جی کی رہائی کے لئے حکومت کو کہا گیا۔ مگر حسب معمول دیر سے فیصلہ ہوا۔ چنانچہ فروری کی صبح قریب ۹ بجے جب گاندھی جی بیماری سے اُٹھے ہی تھے کہ ان کو رہا کر دیا گیا۔ بمبئی کی حکومت نے ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ گاندھی جی کو باقی قید معاف کر دی گئی ہے۔ دو دن بعد گاندھی جی نے مرحوم مولانا محمد علی کو جو اس وقت کانگریس کے صدر تھے ایک خط لکھا جس میں اپنی رہائی پر افسوس کا اظہار کیا کہ بوجہ سخت علالت کے حکومت نے ان کو رہا کر دیا ہے۔ گاندھی جی کچھ دن اور ہسپتال میں ہی رہے۔ قید سے رہائی پانے کے بعد وہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں رہے۔ مختلف شہروں میں

جو فسادات ہوئے اور کئی جانوں کا نقصان ہوا اور مال بھی تباہ ہوا خاص کر کے سہارنپور اور کوہاٹ تو ان باتوں کا گاندھی جی کے دل پر بڑا اثر ہوا اور جب وہ دہلی میں تھے تو انہوں نے ۲۱ دن کے لئے بھوک ہڑتال (یعنی ۷ اگست سے ۸ اکتوبر تک) کرنے کا فیصلہ کیا۔ کستوربا اور شنکر لعل بنگرا، سواہی بن اور رام داس گاندھی سب کے سب ۲۱ ستمبر کو دہلی پہنچے اور بھوک ہڑتال کے دنوں میں ہر طرح سے ان کی خدمت کرتے رہے۔

بھوک ہڑتال کرنے سے سب ملک کے سیاستدانوں کی توجہ ہندو مسلم اتحاد کے سوال کی طرف پھری۔ چنانچہ ۲۶ ستمبر کو ایک اتحادی کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی جس کے صدر مرحوم پنڈت موتی لعل نہرو تھے اور جس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر مولانا محمد علی صاحب تھے۔ اس کانفرنس کی تجویزیں بڑی اہم اور ضروری تھیں اور ملک کے بھی خواہوں نے ان کو پسند کیا۔ اس سال انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس بنگام میں ہوا، اور گاندھی جی صدر تھے احمد آباد کا نتیجہ گرہ آشرم ایک طرح قومیت کا مرکز بن گیا اور اس وجہ سے سارے ہندوستان بلکہ ساری دنیا کی توجہ اس پر مرکوز ہو گئی

آشرم میں گاندھی جی سے دوسرے درجہ پر کستوربا تھی جسے لوگ باجی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ جس کے معنی ماں کے ہیں

یہ عورت کوتاہ قد اور چمکتی ہوئی آنکھوں والی اور تیز آواز والی تھی اور ہونٹوں سے ارادہ کی پختگی ٹپکتی تھی، اور وہ آشرم پر حکومت کرتی تھی۔ کسی کو حکم عدولی کی جرات نہ ہوتی تھی۔ باورچی خانہ میں اُسے بہت کام کرنا پڑتا تھا۔ نہ صرف گاندھی جی اور یوتوں کے لئے کھانا بنانا ہوتا تھا بلکہ آشرم کے سب رمنے والے تقریباً بیس آدمی وہاں ہی کھانا کھاتے تھے۔ باورچی خانے کو صرف دیکھنا ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ کھانا بھی بنانا ہوتا تھا۔ اور چونکہ خود باقاعدہ کام کرتی تھی۔ اس لئے سب کام کرنے والوں کو ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔

چونکہ باورچی خانہ کا سب انتظام کستوربا کے ذمہ تھا مہانوں کی خوراک کا بندوبست بھی کرنا ہوتا تھا۔ وہ بے وقت بھی آجایا کرتے تھے۔ اگر کبھی ایسا موقعہ ہوتا تو کستوربا غضبناک ہو جاتا کرتی اور گاندھی جی یہ کہہ کر اُسے ٹھنڈا کرتے کہ ہم تمہارے غصے سے بہت ڈرتے ہیں۔ ایک دن کچھ مہان آئے اور ان میں پنڈت موتی لعل نہرو بھی تھے۔ اور وہ آئے بھی جب باورچی خانہ بند ہو چکا تھا اور کستوربا اور ان کے ساتھی ایک کمرے میں آرام کر رہے تھے، مہانوں کا استقبال کر کے گاندھی جی نے انھیں کھانے کے لئے کہا۔ اور خود باورچی خانے میں چلے گئے اور کسی سے کہا کہ تم کھانا تیار کرو۔ مگر کستوربا کو آرام کرنے دے۔

اگر مدد کی ضرورت ہوگی تو بلا بھیجنا۔ دراصل گاندھی اُسے تکلیف نہ دینا چاہتے تھے کیونکہ اس کی طبیعت ابھی نہ تھی۔ یہ کہہ کر گاندھی جی تو چل دئے۔ جب لوگ باگ باورچی خانے میں کام کر رہے تھے جس طرح گاندھی جی ان کو ہدایت کر گئے تھے تو اتنے میں ایک تھالی فرش پر گری اور بڑی آواز ہوئی۔ کستور بااٹھی اور یہ سمجھ کر کہ شاید بی بی جلدی سے باورچی خانہ کی طرف گئی۔ دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے اور کھانا بنانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ پتہ لگا کہ گاندھی جی نے کھانا تیار کرنے کو کہا ہے۔ تب مسکرا کر کہنے لگی۔ میں کوئی بھکی ہوئی تو نہیں تھی مجھے بلا لیا موتا۔

جب سب مہان چلے گئے اور گاندھی جی اکیلے رہ گئے کستور با ان کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ آپ نے مجھے مہانوں کے لئے کھانا تیار کرنے کو کیوں نہ کہا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اس قدر مست الوجود ہوں کہ کام نہ کروں گی۔ گاندھی نے جواب میں کہا کہ کستور با مجھے تم سے ایسے موقعوں پر بڑا ڈر لگتا ہے۔ کستور با نے مسکرا کر کہا کہ آپ اور مجھ سے ڈرا!

مگر گاندھی جی سچ کہہ رہے تھے کیونکہ اس دُنیا میں اگر گاندھی جی کسی نزدیکی رشتہ دار سے ڈرتے تھے تو اپنی بیوی سے۔

۲۷ جنوری ۱۹۲۵ء گاندھی جی کے لڑکے رام داس کی شادی کی رسم بڑی سنجیدگی سے آشرم میں ادا کی گئی۔ منگنی دو

سال پہلے ہو چکی تھی۔ برات اور بامہ وغیرہ کچھ نہ تھا، نہ ہی کھانا وغیرہ، احمد آباد سے گاندھی جی کے دوست دلہا اور دلہن کو آخیر باد دینے کے لئے آئے۔ جہیز وغیرہ کچھ نہ تھا۔ اپنے ہاتھ کے کاتے ہوئے سوت کی منگلا مالا۔ ایک بھگوت گیتا۔ ایک جوڑی تملکیوں کی اور آشرم بھجناولی گاندھی جی کی طرف سے دی گئی۔ مہادیو ڈیسیائی نے شادی کے متعلق ”ینگ انڈیا“ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ دلہن کی ماں کی طرف سے ایک چرخہ دیا گیا۔ دو لہا اور دلہن دونوں بالکل سفید کھدر پہن رکھا تھا۔ اور کوئی کسی قسم کا زیور ان کے بدن پر نہ تھا۔ گاندھی جی کی زندگی میں یہ ایک عجیب واقعہ تھا۔ آخیر باد دیتی ہوئی انہوں نے ایک قابل یاد تقریر کی۔ کستوریا کو ایسی اچھی بھولنے پر بڑی خوشی ہوئی اور حبیبی افریقہ والا زیوروں کا معاملہ بالکل یاد نہ رہا۔

۱۹۲۸ء میں کانگریس کا اجلاس کلکتہ میں ہوا۔ پنڈت موتی لعل نہرو جی صدر تھے۔ اور گاندھی جی اور ایک ان کے ساتھی بھی موجود تھے۔ ۱۹۲۹ء میں کانگریس لاہور میں ہوئی اور پنڈت جواہر لعل نہرو جی صدر تھے۔ اسی سال ۲۳ دسمبر والے دن گاندھی جی اور پنڈت موتی لعل نہرو جی وائسرائے سے ملے۔ اور ان سے ہندوستان کے آزاد ہونے کے متعلق دریافت کیا۔ چونکہ کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا کانگریس

نے مکمل آزادی کا اعلان کر دیا۔ اُس سال کستور باگا ندھی
 جی کے ساتھ لاہور آئی۔ اور ایک ہفتہ تک قیام کیا۔
 جنوری کے پہلے ہفتہ میں سب احمد آباد واپس چلے گئے۔

نہک کے متعلق ستیہ گرہ

۱۵ فروری ۱۹۳۰ء والے دن ساہرمتی آشرم میں کانگریس کی کارکن کمیٹی کا اجلاس ہوا اور گاندھی جی کو کمیٹی نے نہک کے متعلق ستیہ گرہ شروع کرنے کی اجازت دے دی۔ مکمل مارچ کو دوبارہ وائسرائے کو اس امر کے متعلق مطلع کیا گیا اور ریگنالد ریٹرنیلڈ گے (جو ایک انگریز تھے) کے توسط سے اطلاع دی گئی۔ یہ اطلاع پنڈت موتی لعل نہرو اور جواہر لعل نہرو اور سردار دلپھ بھائی پٹیل کی مرضی سے دی گئی۔ سنٹرل اسمبلی میں

Reginald Raynold.

Central Assembly.

اس وقت بجٹ پیش ہو رہی تھی۔ گاندھی جی ۱۲ مارچ کو چند چیدہ رضا کاروں کو ساتھ لے کر ڈنڈی جانے کو تیار ہو گئے وہ نمک کا قانون توڑنا چاہتے تھے۔ صوبوں کی کانگریس کمیٹیاں بھی ۲۱ مارچ سے نمک کا قانون توڑنے کے لئے آمادہ ہو گئیں۔ چنانچہ گاندھی جی ۶ اپریل صبح ۸ ۱/۴ بجے ڈنڈی پہنچ گئے اور اپنا کام شروع کر دیا۔ سر وجنی نیڈو صاحبہ نے فرمایا۔ شاہاش قانون توڑنے والے!

دوسرے دن ہی پولیس نے گاندھی جی کو گرفتار کر لیا۔ مگر کام تو شروع ہو ہی چکا تھا اور سارے ہندوستان میں دھوم مچ گئی تھی۔ حکومت نے بھی دبا نا شروع کر دیا اور خاص حکم جاری کر دیا کہ بعض مقامات پر پولیس نے لاکھی جلائی بلکہ گولی بھی چلی اور شولا پور میں مارشل لا (فوجی قانون) لگ گیا۔ حکومت نے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس بات کا احساس کیا کہ سختی کرنا بے سود تھا اور نرمی سے کام لینا چاہیے تھا۔ چنانچہ حکومت نے ان لوگوں کو جو کانگریس کے برخلاف تھے اپنے ساتھ لے لیا اور داسرائے صاحب نے اعلان کیا کہ گول میز کانفرنس لندن میں منعقد ہوگی اور سب سیاسی حلقوں سے شمولیت کی درخواست کی گئی کانگریس کے کارکن جو ابھی قید نہ تھے انہوں نے شامل ہونا مناسب خیال نہ کیا۔ سپرو اور جیکار حکومت اور کانگریس میں

سمجھوتا کرانا چاہتے تھے اور وہ اُس غرض سے ۳۱ جولائی کو پہلے
 گاندھی جی سے یروہ جیل میں ملے اور بعد موتی لعل نہرو جی اور
 جواہر لعل نہرو جی سے مینٹی جیل میں ملے۔ جیکار جی تو گاندھی جی
 سے ۳۱ جولائی اور کم اگست ۱۹۴۱ء کے دن دوبارہ ملے۔ غرض نتیجہ
 یہ ہوا کہ ۱۳ اور ۱۱ اگست کو یروادہ جیل میں ایک مجلس ہوئی جس میں
 گاندھی جی، موتی لعل نہرو جی، سید محمود، سردار ولہبھائی پٹیل
 اور مسز سررجینی نیڈو کے علاوہ سپرد اور جیکار صاحب بھی موجود
 تھے۔ فیصلہ کچھ نہ ہوا۔ کیونکہ حکومت کانگریس کے مطالبات منظور
 کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھی۔ بلکہ حکومت نے سختی کی اور کانگریس
 کی کارکن کمیٹی کو ایک غیر قانونی ادارہ قرار دے دیا۔ دو دن
 بعد ہی پنڈت مدن موہن مالوی - ڈاکٹر انصاری اور وٹھل بھائی
 پٹیل (جو سنٹرل اسمبلی کے سپیکر تھے اور مستعفی ہو گئے تھے) اور
 کئی اور کمیٹی کے ممبر دہلی کے ایک محبٹرٹ کے حکم سے قید کر لئے گئے۔
 غرض حکومت اور کانگریس میں چھ ماہ تک لڑائی جاری رہی
 اسی اثناء میں لنڈن میں گول میز کانفرنس بھی ہوتی رہی مگر چونکہ
 کانگریس کے سرکردہ اشخاص قید میں تھے کچھ نتیجہ حاصل نہ ہوا۔
 ۲۵ جنوری ۱۹۳۱ء لارڈ اروون نے گاندھی جی اور کانگریس
 کی کارکن کمیٹی کے ممبروں کو رہا کر دیا گیا۔ ۲۶ جنوری کو گاندھی
 جی قید خانے کی کوٹھڑی سے ان کے صبح نکلے اور ۲۸ مارچ کو الہ آباد

پہنچے۔ وہاں پہنچتے ہی سُننا کہ پنڈت موتی لعل نہرو جی بڑے سہا
ہیں۔ کانگریس کی کارکن کمیٹی کے اور ممبر بھی آن پہنچے تھے۔ موتی
لعل نہرو جی ۶ فروری والے دن فوت ہو گئے اور گاندھی جی
اور دیگر ممبران الہ آباد سے روانہ ہو گئے۔ ۷ فروری کو گاندھی
جی وائسرائے سے ملے۔ دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ آخر مہاراج
کو سمجھوتا ہو گیا اور حکومت نے سب سستی گری قیدیوں کو رہا کر دیا۔
ان بارہ مہینوں کی جدوجہد میں کستور بابے کا رنہ بیٹھی رہی۔
بردولی کے ضلع کا دورہ کرتی رہی اور لوگوں کو گاندھی جی کا پیغام
یا دلاتی رہی۔ وہ قید سے بالکل نہ ڈرتی تھی اور مختلف مقامات
پر سستی گرہ کے ٹکپ قائم کرتی رہی۔

۲۸ اپریل ۱۹۳۱ء کو کستور باس پیٹ اور دیگر زمانہ رضا کاروں
کو ساتھ لے کر جلال پور سے اونچر گئی۔ سب بس میں سوار تھیں
اور راستے میں قومی گیت گاتی جاتی تھیں۔ گیت کا خلاصہ یہ تھا۔
”ہم سچائی اور امن کی لڑائی اپنے ملک کی خاطر لڑ رہے ہیں
بہادر لوگ خوشی اور جوش سے میدان جنگ میں جایا کرتے
ہیں اور نڈر ہو کر اپنی جانیں قربان کرتے ہیں“
مقام اونچر پہنچ کر کستور بانے گاؤں والوں کو دور اور

نزدیک سے جمع کیا اور وہ اماؤں کا دن تھا جسے لوگ تبرک خیال کرتے ہیں۔ تقریر کرتے ہوئے کستور بانے کہا کہ ایسے مبارک دن پر ان کو شراب نہ پینے کی قسم کھانی چاہئے اور چرخہ کاٹنے کا پرن لینا چاہئے اور غیر ملکی کپڑا نہیں استعمال کرنا چاہئے۔ ۵ مئی کو کستور بانو ساری پہنچی اور وہاں کے مردوں اور عورتوں سے اپیل کی کہ وہ گاندھی جی کے عدم تشدد اور سچائی کے پیغام کو یاد رکھیں۔ جلدی سوراخ حاصل کرنے کا یہ ہی واحد طریقہ ہے۔ ہماری لڑائی سچی ہے اور خدا ہمارے ساتھ ہے۔ جب جلسہ ختم ہوا تو کستور بانے غیر ملکی کپڑوں کا ایک ڈھیر آگ کے سیر دیا۔ دوسرے دن خار داد اور نیار کے گاؤں میں تقریر کی اور کہا کہ اگر سب لوگ ستیہ گروہیں تو حکومت دو مہینوں کے اندر اندر ہتھیار ڈال دے۔ ان سے بھی یہی کہا کہ تم غیر ملکی کپڑا استعمال مت کرو۔ شراب پینا چھوڑ دو۔ عدالتوں میں مت جاؤ اور اپنے جھگڑوں کے فیصلہ کرانے کے لئے پنچائتیں بناؤ۔ گانگرس کے رضا کار جو نمک تیار کریں اُسے کھاؤ کستور بانے بہت سی عورتوں کو شراب اور ٹاڈی کی دوکانیں بائیکاٹ کرنے کے لئے تیار کیا۔

۱۲ مئی کراچی سے دھرا سنا عباس طیب جی کی سرکردگی میں ۵۹ رضا کار جا رہے تھے کستور با بھی ان کے ساتھ تھی۔ اس نے طیب جی اور دیگر رضا کاروں کے ماتھے پر کُم کُم لگایا اور ان

کو آتشیر باد دی اور کہا کہ خدا تمہیں حکومت کے ساتھ عدم تشدد کی جنگ میں مدد دے۔ جب یہ با وفارضا کارگر فار کئے گئے۔ تو بھی کستور با وجود مہی۔ میرامن کے ساتھ کستور با ۲۱ مئی کو پروادہ جیل میں گاندھی جی سے ملیں اور اس بات کی اجازت چاہی کہ عورتیں بھی ستیہ گرہ کی تحریک میں شامل ہوں۔ اسی رات دہرا سا کو روانہ ہوئیں۔ جب ملک اس مصیبت میں گرفتار تھا تو کستور بانے لمبئی کی آئین ساز کونسل کے ممبروں سے مستعفی ہونے کے لئے کہا تا کہ حکومت کی طرف سے جو سختی ہو رہی تھی اس پر ناراضگی کا اظہار کیا جا سکے۔ ۲۰ جون کو وہ نوساری سے دہلی پہنچی۔ راستے میں اپنے لڑکے سے ملی۔ وہ خاص جیل میں قید تھا۔ دہلی کے اسٹیشن پر ہزاروں آدمی اس کے استقبال کے لئے جمع تھے۔ تقریباً بیس ہزار آدمی جلوس میں شامل ہوئے، اور وہ لکشمی زائن گدو دیا کے مکان پو ایک دن ٹھہری۔ دوسرے دن یہارانی کے باغ ایک بڑا جلسہ ہوا۔ پاروٹی دیوی اس جلسہ کی صدر تھیں۔ اوتھ پیر ہزار کے مجمع میں کوئی تین ہزار کے قریب عورتیں تھیں۔ کستور بانے بڑی سیدھی، سادھی اور سادہ مہندوستانی بولی میں تقریر کی اور زور سے لوگوں کو کہا کہ غیر ملکی کپڑا امت استعمال کرو۔ شراب مت پیو اور عدم تشدد سے آزادی کی جنگ لڑو۔ زنانہ رضا کاروں نے جو کام کیا تھا۔ اس کی بڑی تعریف کی۔ اور اسی رات گجرات واپس روانہ ہوئی۔ دوسری

صبح امرتسر میں بڑا استقبال کیا گیا۔ شام کو تقریباً ایک میل لمبا جلوس بازاروں سے گذرا جہاں جھنڈیاں وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔ جلوس پر ہر طرف سے پھول برسائے گئے۔ جلیانوالے باغ میں ایک بڑا بھاری جلسہ ہوا۔ وہاں بھی کستور باسادہ ہندوستانی میں بولی اور کہا کہ فرقہ دارانہ جھگڑا آزادی کے رات میں بڑی بھاری کاوش ہے۔ کستور با ایک ہندو بیوی کی طرح اپنے خاوند کا ہاتھ تیار رہی تھی شام کی گاڑی میں بیٹھ کر کستور با گجرات روانہ ہو گئی اور ۲۳ جون رات کے دو بجے وہاں جا پہنچی۔ وہاں بڑی مشغولیت رہی صبح اٹھتے ہی عورتوں کے جلسے میں تقریر کی اور ان سے چرخہ کاتنے کو کہا۔ پھر جیل میں جا کر لڑکے سے ملاقات کی اور اس کے بعد موٹر میں سوار ہو کر کنجاہ گئی اور وہاں پیارے لعل کی بیوی سے ملی شام کو گجرات کے شہر میں بڑا بھاری جلوس نکالا گیا۔ سات ہزار کے قریب عورتیں جلوس میں قومی گیت گاتی جاتی تھیں۔ سب عورتوں نے کھدر پہن رکھا تھا۔ جلسہ میں ایک ایڈریس پیش کیا گیا۔ جواب میں کستور بانے کہا کہ ہم اپنے کارکنوں کی عزت صرف ایک طریقے سے کر سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم ان کی بات کو سنیں اور اس پر عمل کریں۔ یعنی غیر ملکی کپڑا بالکل نہ استعمال کریں اور صرف کھدر پہنیں اور شراب پینا چھوڑ دیں۔

گجرات سے شام کی چھ بجے کی گاڑی میں بیٹھ کر کستور با میٹھ

کے لئے روانہ ہو گئی۔ ساری سردی اُس نے مختلف مقامات کا دورہ کیا اور ضلع برسات کے دیہات میں گئی۔ وہاں ستیہ گرہ جاری تھا۔ لوگ ٹیکس دینے سے انکاری تھے۔ ہر مقام پر لوگ جوق در جوق آتے تھے۔ گاندھی جی کی طرف سے وہ لوگوں کو کہتی تھی کہ خوشی سے مصیبتوں کا سامنا کرو۔ کیونکہ قربانی کرنے سے ہی سوراخ مل سکے گا۔

مارچ ۱۹۳۱ء میں کستور باکر اچی کے انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں شامل ہوئی۔ اس کے صدر و بھائی پٹیل تھے۔ انہی دنوں میں بھگت سنگھ کو پھانسی دیا گیا تھا۔ اور لاہور کے سائٹ کے مقدمہ میں سکھ دیو اور راج گورو کو بھی پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ گاندھی جی بھی اور ساتھیوں سمیت دہلی سے کراچی گئے۔ اسی اثناء میں لارڈ ارون ہندوستان سے چلے گئے اور نارڈوننگٹن ان کی جگہ وائسرائے مقرر ہوئے، گاندھی جی اُن سے ملے اور یہ طے پایا کہ دوسری گول میز کانفرنس جو سردیوں میں لندن میں ہونے والی ہے اس میں گاندھی جی بھی شامل ہوں گے۔

(۹) جیل کی زندگی ۱۰

گانڈھی جی گول میز کانفرنس کے ختم ہو جانیکے بعد انگلستان
شہرتے مگر مندوستان سے ان کے ہم وطنوں کی گرفتاریوں
اور خصوصی قوانین کی اجراء نے انھیں واپس آنے پر مجبور کیا
پنڈت موتی لعل نہرو جی اس وقت کی ملک کی فضا کو اس طرح
بیان کرتے ہیں -

”جب تک ہم گرفتار ہوئے تو اسکے دو دن بعد گانڈھی جی

Ordinances.

An Autobiography by Jawahar Lal Nehru, p. 321.

جہاز سے بمبئی اترے۔ تب ان کو جو کچھ یہاں ہوا اس کا پتہ چلا۔ لنڈن میں گاندھی جی نے بنگال کے لئے جو خصوصی قانون جاری ہوا اس کے متعلق سنا تھا اور ان کا دل بڑا رنجیدہ ہوا تھا۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ صوبجات متحدہ اور صوبہ سرحدی کے لئے بھی اسی طرح کے قوانین بننے والے ہیں اور ان کے نزدیک رفیق مذکورہ بالا صوبوں میں گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ اب کیا تھا گو یا صلح کا دروازہ بند ہو گیا پھر بھی گاندھی جی نے لارڈ ونگڈن سے ملاقات کرنی چاہی مگر دہلی سے خبر ملی کہ ملاقات چند شرائط کے ساتھ ہوگی یعنی ان خصوصی قوانین کا جو حال میں جاری کئے گئے تھے کچھ ذکر نہ ہو گا نوٹ:- جو اہر عمل جی لکھتے ہیں کہ دائرے کا خط تو میرے پاس نہیں ہے مگر مجھے ایسا یاد پڑتا ہے (بھلا گاندھی یا دیگر کانگریسی ان معاملات پر جو ملک کے درپیش تھے اگر بات چیت نہ کرتے تو اور کیا کرتے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ حکومت کانگریس کے اقتدار کو توڑنا چاہتی تھی اور کسی سمجھوتے کے لئے تیار نہ تھی۔ کانگریس کی کارکن کمیٹی اب کیا کرتی سوائے اس کے کہ سول نافرمانی (ستیہ گرہ) جاری کرتی۔ کارکن کمیٹی کے ممبر بھی گرفتار ہونے والے ہی تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ اس کام کو جیل جانے سے پہلے شروع

کر دیں تاکہ لوگوں کے لئے سر مشق ہو؛
 سول نافرمانی والا رزولوشن وقتی طور پر پاس ہو گیا پھر
 دوبارہ گاندھی جی نے وائسرائے سے ملنے کی کوشش کی اور
 بلا شرط ملاقات کے لئے تار بھی بھیجا۔ جواب میں گاندھی جی کو
 اور کانگریس کے صدر کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور سارے ملک
 میں سختی سے کام لیا گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ حکومت برسریکا ر
 تھی۔

۴ جنوری ۱۹۳۲ء کی صبح ۱/۳ بجے گاندھی جی اور سردار
 پٹیل دونوں گرفتار کیا گیا۔ اور ان کو یروادہ جیل لے جایا گیا
 گرفتاری بھی ۱۹۳۲ء کے قانون زیر دفعہ ۳۵ کے ماتحت
 کی گئی۔ یعنی وجہ نامعلوم تھی۔ کتور با اس وقت وہاں ہی تھی
 گاندھی جی نے حسب معمول سب کو الوداع کہا، اسی دن
 کانگریس کی کارکن کمیٹی بھی خلاف قانون قرار دے دی گئی اور
 چار خصوصی قانون بھی وائسرائے کی طرف سے جاری کئے گئے۔
 جن کے مطابق پولیس اور لوکل حکام کو بے حد اختیار دیدئے
 گئے۔ لارڈ ولنڈن صاحب جانتے تھے کہ ہندوستان کو
 خوب دبایا جائے اور سیاسی تحریک ملامیٹ کی جائے بلکہ بھالی
 پٹیل کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اور ہر جگہ بغیر سوچے سمجھے گرفتاریاں
 کی گئیں بعض جگہ لاکھی بھی چرائی گئی اور کئی مقامات پر گولی بھی چل گئی

جب ملک کی یہ نازک حالت تھی تو بھلا کستوربا کیونکر آشرم میں بیٹھی رہتی۔ اُس نے بھی فوراً فیصلہ کیا اور دورے پر نکل کھڑی ہوئی۔ گاؤں گاؤں میں گھومتی پھری۔ منی بن پٹیل اس کے ساتھ تھی اور ہر جگہ تقریریں کیں۔ ہر دولی کے نزدیک ایک گاؤں میں اُسے بھی گرفتار کر لیا گیا اور ساہرستی جیل میں لے گئے۔ ۱۵ اربتاخ کو اُسے ابو لاضلع سورت کے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا اور تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۷۱ الف اس پر عائد کی گئی۔ اور عورتیں بھی گرفتار ہوئیں۔ سب نے عدالت کی کارروائی میں حصہ لینے سے انکار کیا اور جب تک مقدمہ ہوتا رہا خاموش کھڑی رہیں۔

سرکار کی طرف سے پولیس کے سپرنٹنڈنٹ کی گواہی ہوئی انہوں نے بیان دیا کہ چند روز ہوئے جب بردولی کے ستیہ گروہ آشرم پر قبضہ کیا گیا تو ایک خط مورخہ ۶ جنوری ملا۔ جس میں کانگریس کا پروگرام بردولی کے لئے درج تھا۔ اس میں کستوربا اور منی بن پٹیل اور مپیٹ صاحب کی بیوی کا دورے پر جانے کا ذکر بھی تھا۔ جب ہمیں پتہ چلا کہ کستوربا اور دیگر اس کے ساتھی ۱۰ اربتاخ کو بردولی پہنچ گئے تو ہم نے ایک کانسٹیبل کو ان کی دیکھ بھال کے تعینات کیا۔ پھر ہمیں معلوم ہوا کہ ایک جلوس بھی نکالا گیا اور سیدہ گاؤں میں ایک جلسہ بھی ہوا۔ اس میں کستوربا اور

اس کے ساتھیوں نے تقریریں کیں اور رسول نافرمانی کا پروگرام بھی بیان کیا گیا۔ تب ہم نے ان کو گرفتار کر لیا۔

کستوریا کو ۱۰ مہینہ کی قید محض ہوئی اور اس کے ساتھیوں کو ۳ مہینہ کی قید سخت کے علاوہ سو سو روپے جرمانہ کی سزا دی گئی اور اگر جرمانہ ادا نہ کریں تو دو دو مہینے اور قید رہیں سزا کا حکم سب نے بڑے اطمینان سے سنا۔

کستوریا نے مجسٹریٹ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: آپ نے یہ فرق کیوں کیا۔ مجھے صرف ۱۰ ماہ کی قید کی سزا دی۔ کیا میں جیل سے پہلے نکل آؤں اور اپنے ہم وطنوں کو یہ بات سکھلاؤں کہ لالٹھیاں کس طرح کھایا کرتے ہیں؟ میں اپنی لڑکیوں کو جیل میں کیسے چھوڑ کر آؤں۔ مجھے بھی اتنی ہی سزا دیکھئے جتنی دوسروں کو دی ہے۔ مجسٹریٹ صاحب نے جواب میں کہا کہ جو کچھ ہوا ہو گیا میں اپنے حکم کو بدل نہیں سکتا۔ کستوریا کو "اے" نکلا دیا گیا اور اٹھنیں اخبار "جام جمشید" پڑھنے کی بھی اجازت دی گئی۔ الغرض کستوریا نے قید کے دن بڑی خوشی سے سا برستی جیل میں گزارے۔ وہ چرخہ کا تھی اور کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی ابھی جیل میں رہتے پانچ دن ہوئے تھے کہ اس نے خبر ملی کہ اس کا لڑکا رام داس سورت میں ۱۸ جنوری کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

۲۹ فروری کی صبح کو کستوربا کو قید سے رہا کر دیا گیا۔ جیل سے نکلنے ہی پہلا کام جو اس نے کیا وہ بردولی کے آشرم کے باقی ماندہ نوجوانوں سے ملنا تھا۔ یہ سن کر اس کو بڑی خوشی ہوئی کہ وہ سب اچھی طرح سے تھے مگر اُسے چین نہ تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھی اور گاندھی جی ابھی قید میں تھے اور یہ بات اُسے دکھ دے رہی تھی۔ گرفتاری سے پہلے کستوربا گاندھی جی سے زیادہ جیل میں ملنے لگی۔ یکم مارچ کو دیو داس کو میرٹھ میں چھ مہینے قید کی سزا اور دوسروں کو دو مہینے جرمانہ ہو گیا۔

۹۔ کستوربا ۱۲ مارچ کو احمد آباد پہنچی اور دوسرے دن ہی نوادہ عورتوں کے ساتھ بردولی کو روانہ ہو گئی۔ اس کا ارادہ تھا کہ لوگوں سے کہے کہ ٹیکس مت دو اور غیر ملکی کیڑا مت پہنو۔ ۱۲ مارچ کو ایک جلوس نکالا گیا۔ جو لوگ اس جلوس میں شامل تھے ان سے تتر بتر ہونے کو کہا گیا۔ جب انہوں نے انکار کیا تو ان سب کو گرفتار کر لیا گیا اور مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ مجسٹریٹ صاحب نے کستوربا کو چھ ماہ کی قید اور دوسروں کو دو مہینے جرمانہ کی سزا دی۔ اور اگر جرمانہ نہ دے تو دو ماہ اور قید ہے۔ ایک شخص کو چھ ماہ کی قید اور پانسو روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی۔ باقیوں کو چھ ماہ قید اور دو دو سو روپیہ جرمانہ اور اگر جرمانہ ادا نہ کریں تو ۱۲ ماہ کی مزید قید۔ سب کو ”سٹی“ کلاس دی گئی۔ ۲۰ اپریل کو کستوربا کو بردولی سے ساہیو جیل میں لایا گیا اور باقی سیاسی قیدیوں کے

ساتھ رکھا گیا۔ سارے ملک میں "سی" کلاس دینے پر سنی جیل
 گئی۔ کستوربا کو بھی معمولی قیدیوں کی طرح "سی" کلاس دینا کیا معنی
 رکھتا؟ لوگ کہہ رہے تھے۔ کہ پھر "اے" کلاس کن کے واسطے ہے؟
 جب سارے ملک میں اور اخباروں میں اس کے متعلق جیل
 محلی تو فوراً اثر ہوا۔ جب کستوربا کو ساہرمتی جیل میں لایا گیا تو
 حکم ہوا کہ "اے" کلاس میں رکھا جائے۔ اطلاعات کے
 محکمہ کے ڈائریکٹر صاحب نے، اراپرح کو اخباروں کے نام ایک
 خط لکھا جس میں یوں لکھتے ہیں۔

"اخباروں میں جو رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ کستوربا کو
 ایک مجسٹریٹ صاحب نے "سی" کلاس دے رکھا ہے۔ ایسا
 معلوم ہونے پر تار سے ہدایت کی گئی ہے کہ اس کو "اے"
 کلاس دیا جائے اور اس کے متعلق سورت کے ڈسٹرکٹ
 مجسٹریٹ صاحب نے ساہرمتی جیل کے سپرنٹنڈنٹ کے نام
 ہدایت جاری کر دی ہے۔ کستوربا اسی جیل میں تبدیل کر دی
 گئی ہے۔"

حکومت برطانیہ نے ۱۶ اگست ۱۹۳۷ء کو فرقہ وارانہ بانٹ
 کا اعلان کیا۔ گاندھی جی اس پر بڑے خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں
 نے سرسموئیل ہور کو جو اس وقت وزیر ہند تھے ایک خط لکھا اور
 کہا کہ اگر اس فرقہ وارانہ بانٹ پر عمل کیا گیا تو میں بھوک ہڑتال

کردوں گا اور انہوں نے ۲۰ ستمبر آخری تاریخ مقرر کر دی۔ جب یہ خط و کتابت شائع ہوئی تو سارے ملک میں بلکہ ساری دنیا میں سنسنی چھا گئی۔ گاندھی جی کو کچھ شرطوں کے ساتھ رہا ہونے کے لئے کہا گیا۔ مگر وہ نہ مانے۔ جب حکام کو اس بات کا پتہ چلا تو مرکز میں اسمبلی میں اس بات کا چرچا ہوا کہ حکومت گاندھی کو رہا کرنا نہیں چاہتی۔ اسی اشار میں ۱۹ ستمبر کو پونہ میں بڑے بڑے آدمیوں کی ایک کانفرنس ہوئی اس کے صدر پنڈت مدن موہن مالوی تھے بہت دیر تک سوچ بچار کرنے کے بعد جو کچھ طے ہوا اُسے گاندھی جی ہی مان گئے۔ گاندھی جی نے یہ روادہ جیل میں ایک آم کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر ۲۰ ستمبر کو بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ کستور باجو اس وقت سا برمتی جیل میں تھی۔ وہاں سے یہ روادہ جیل میں لائی گئی اور وہ ۲۲ ستمبر کو گاندھی جی کی خدمت کے لئے وہاں پہنچ گئی۔ اس لئے کہ ہجوم اکٹھا نہ ہو اسے کرکی ریلوے سٹیشن پر اتار لیا گیا اور ایک بند گاڑی میں جیل لے جایا گیا۔ اُس کے ساتھ مسٹر کارڈن سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی تھے۔ کستور باجو گاندھی جی کے پاس رہ کر ان کی خدمت کرتی رہی۔

پیارے نعل صاحب لکھتے ہیں :-

۲۲ تاریخ کو جب کستور باجو قید ختم ہونے والی تھی اُسے

ساربتی جیل سے نکال کر ریو دادہ جیل میں لے گئے اور وہاں سے گاندھی جی کے پاس رہنے کی اجازت تھی، کستور باڑی متین اور با استقلال عورت تھی۔ اس کے چہرے سے ذرا بھی گھبراہٹ یا رنج ظاہر نہ ہوتا تھا۔ گاندھی جی سے مننے کے وقت کستوربا نے مزاح کے طور پر کہا کہ پھر وہی قید۔ مگر ظاہر ہی تھا کہ ان کے دل میں کس قدر قلق تھا۔ وہ فوراً ہی تیمارداری میں لگ گئیں۔

جب یہ خبر ملی کہ سیاست دانوں میں مجھوتا ہو گیا ہے تو کستوربا کے ساتھ ساتھ سروجنی نیڈو اور سردار پٹیل بھی وہاں ہی تھے حکومت ہند کو بھی سمجھوتے کی خبر دی گئی اور حکومت برطانیہ کو بھی اطلاع ہوئی۔ حکومت برطانیہ نے بھی ۲۶ ستمبر کو اپنی رضامندی دے دی اور اعلان بھی کر دیا گیا۔

اس دن وزیراعظم برطانیہ کا جواب بھی شام ۱۱ بجے وصول ہوا۔ گاندھی جی ایک چارپائی پر لیٹ رہے تھے جو ایک زخمت کے سایہ میں تھی، وہاں ہی انہوں نے اس جواب کو پڑھا اور پھر ایک دوست کو پڑھنے کے لئے دیا۔ مرحوم شاعر را بندر ناٹھ سیکور بھی اس وقت پونہ میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب گیتیا بجلی سے ایک گیت گایا۔ حاضرین نے گاندھی جی کا من بھسانا گیت جو وہ آشرم میں گایا کرتے تھے گایا۔ مکلا نہرو نے دو میٹھے لمبوں کا رس نکال کر کستوربا کو دیا اور اُس نے گاندھی کو دیا۔ ۲۶ ستمبر

بروز سوم دارشام کے ۵ بجے گاندھی جی نے بھوک ہڑتال بند کر دی۔ ۹ ستمبر
 والے دن ملاقاتیں سب بند کر دی گئیں۔ یہاں تک کہ کستور با بھی اُن
 سے نہ مل سکتی تھی، ۳۰ ستمبر کو اُسے رہائی سے چار دن پیشتر ہی رہا
 کر دیا گیا۔ ابھی گاندھی جی بڑے کمزور تھے اور اُن کو تیمارداری کی ضرورت
 تھی اس لئے کستور با کو پھر بلا لیا گیا تاکہ چند تک اور اُن کے پاس رہے۔
 یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دیو داس جو گاندھی جی کے صاحبزادے
 تھے اور کیم اگست کو بیمار ہونے کی وجہ سے جیل سے رہا کئے گئے تھے
 اپنے باپ سے نہ مل سکتے تھے۔ کیونکہ کسی کو بھی ملنے کی اجازت نہ تھی
 کستور با چند روز آشرم میں رہنے کے بعد مدراس احاطہ کا دورہ
 کرنے گئی اور ۲۹ نومبر کو وہاں پہنچی۔ سٹیشن پر بڑے ہجوم نے استقبال
 کیا اور ہار پہنائے۔ شام کو سیلک چلتے ہو جس میں بہت سی جگتیں
 شامل تھیں اور مدراس کا ہریجن سیدانگ اور خواتین کی جماعت بھی
 شامل تھی اور سب کی طرف سے ایڈریس پیش کئے گئے۔ جو اب تیر
 کستور بانے کہا کہ قومی پروگرام میں اچھوتوں کے سدھار کا بھی
 ذکر ہونا چاہیے۔ ان کے راستے سے سب رکاوٹیں مٹا دینی چاہئیں
 پھر کستور با انداھود گئی یہ گاؤں گورویور سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر
 ہے۔ وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر آندرے گئی اور لوگوں نے

(مردوں اور عورتوں) بڑی آؤ بھگت کی۔ ایک پالکی کستوربا کے لئے لائے۔ مگر اس نے اس میں سوار ہونے سے انکار کیا۔ تب سب لوگ پیدل ہی جلسے میں گئے۔ ایک ہفتہ تک پونانی علاقہ میں دورہ کرنے کے بعد کستوربا اور اس کے ساتھی کالی کٹ، واپس آئے۔ یہ ۸ دسمبر کا واقعہ ہے۔ ۱۳ دسمبر کو وہ بنگلور پہنچی اور وہاں جلسے میں تقریر کی۔ میونسپل کمیٹی نے ایک ایڈریس پیش کیا۔ چند اور مقامات پر جا کر وہ گجرات واپس لوٹی۔

(۱۰)

جیل کی زندگی - ۲

کستوربا موضع رتس میں ۲۲ فروری ۱۹۳۳ء کو گرفتار کی گئی۔ اس کے ساتھ چھ اور عورتیں تھیں اور انہوں نے مل کر گاؤں میں ایک کانفرنس کی جس کا منشا یہ تھا کہ جس طرح وہ کہیں اسی طرح کیا جائے تقریباً سو کے قریب گاؤں کی عورتیں حاضر تھیں۔ جیسے ہی ایک کوچہ نئے کونہ سے جلو کس نکلا اور کانگریسی نعرے بلند ہوئے پولیس افسروں نے جو اسی مطلب کے لئے وہاں موجود تھے اور جو فصل حکومت نے ضبط کئے ہوئے تھے ان کی نگرانی کر رہے تھے جلوس کو روکا۔ کستوربا اور چھ عورتوں کو گرفتار کیا گیا اور باقیوں کو تتر بتر کیا گیا۔ گرفتار شدہ عورتوں کو بورتسا دے جایا گیا اور جوالات میں

بذکر دیا گیا

۱۔ رفروری کو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ مجسٹریٹ صاحب کا
 کمرہ بالکل بھرا ہوا تھا۔ مدعی جناب قمر علی دیمیہ جو کھاتہ کے پولیس انسپکٹر
 تھے بیان دیتے ہوئے کہنے لگے کہ بورسادی کی کانگریس کمیٹی کا پروگرام
 جاری کرنے کے لئے (یہ کمیٹی برخلاف قانون قرار دی گئی تھی) دیگر کانگریس
 کمیٹیوں نے مل کر ایک کانفرنس رس کے گاؤں میں منعقد کی۔ ملزمہ
 تقریباً دو سو عورتوں کے آگے آگے کانگریسی نعرے لگا رہی تھی جو توں
 نے کانگریسی نشان لگا رکھے تھے اور کستوربانے صدارت کا نشان
 لگایا ہوا تھا۔ سرکردہ عورتوں کو گرفتار کر لیا گیا اور باقیوں کو
 تتر بتر کر دیا گیا۔ بیان دیتے ہوئے انسپکٹر صاحب نے یہ بھی کہا کہ
 کستوربا کے سوا باقی گرفتار شدہ عورتوں نے قانون شکنی کی وہ گاؤں
 کا دورہ کرتی تھیں اور لوگوں کو سول نافرمانی کرنے کو کہتی تھیں اور
 قانون ٹوڑنے کے لئے آمادہ کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ حکومت کو
 ٹیکس مت دو۔

سب ملزموں نے کہا کہ ہم بے قصور ہیں اور عدالت کی کارروائی
 میں کوئی حصہ نہ لیا اور کہا کہ قومی خدمت کرنا ہمارا پیشہ ہے مجسٹریٹ
 صاحب نے کستوربا کے برخلاف زیر دفعہ ۱۱ الف (ترمیم شدہ تعزیرات
 ہند) فرد قرار جرم قائم کیا اور دوسری عورتوں کے برخلاف دفعہ ۱۱
 (ب) لگائی گئی۔ کستوربانے مجسٹریٹ صاحب سے کہا کہ میں تو دوسری

عورتوں کی نسبت زیادہ مجرم ہوں۔ مجھ پر بھی وہی دفعہ عائد ہونی چاہیے۔ ایک ملزمہ کے متعلق اس کے خاوند نے درخواست دی کہ اس کی بیوی ضمانت پر رہا کی جائے۔ مگر جب عدالت نے اس عورت سے پوچھا کہ تم ضمانت پر رہا ہونا چاہتی ہو تو اس نے انکار کیا۔ دوسرے دن مجسٹریٹ صاحب نے حکم سنایا۔ کستوربا کو چھ ماہ قید اور پاکستان روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی اور اگر جرمانہ ادا نہ کیے تو چھ ماہ مزید قید۔ دوسری عورتوں میں سے ہر ایک کو ۱۲ سال قید اور دو سو روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی۔ کستوربا کو "اے کلاس" ملا اور باقیوں کو "سی" کلاس دیا گیا۔

سب ملزموں کو ساہرمتی جیل میں ۹ فروری کو لے جایا گیا۔ میرا بن کو بھی ممبئی کے جیل سے وہاں ہی لایا گیا۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ملک کے بڑے بڑے سرکردہ سیاست دان وطن کی حالت سدھارنے کے ذرائع سوچ رہے تھے۔ گاندھی جی بھی ایک نرالی شخصیت ہیں۔ ان کے دل کی حالت کون جانے۔ نزدیکی دوستوں کو بھی معلوم نہ ہوتا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ جب کسی کام کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو پھر دنیا کی طاقت ان کو روک نہیں سکتی تھی۔ ۳۰ اپریل ۱۹۳۳ء کو انہوں نے ۲۱ دن کی بھوک ہڑتال کرنے کا ارادہ کیا اور یہ بھوک ہڑتال ۸ مئی سے شروع ہوئی تھی۔ اور اس کا مقصد صرف اپنے اندر کی صفائی کرنا

تھا۔ حکومت نے بھی امن کو پہلے دن ہی رہا کر دیا۔ گاندھی جی کو پرنکٹی یعنی تھیکر سے کی بیوی کے تنگلے میں لے جایا گیا۔ پانچ دن کے بعد کستوربا کو بھی سا برمتی جیل سے رہا کر دیا گیا۔ رام داس نے اپنی والدہ کا جیل کے دروازہ پر استقبال کیا اور اُسے سا برمتی آشرم میں لے آیا۔ والدہ کی صحت اچھتی تھی۔ اگرچہ جب سے گاندھی جی نے بھوک ہڑتال کی تھی وہ بھی صرف دو دھ اور پھل پر گزارہ کرتی تھی لوگوں کے کہنے سننے سے اس نے خوراک حسب معمول شروع کر دی چنانچہ ۱۲ مئی کو اپنے بیٹے ہیرالسل کے ساتھ وہ پرنالٹی جا پہنچی۔ تھیکر سے کی بیوی نے بل گاؤں کے شیش پر اس کا استقبال کیا۔ وہ ذرا کمزور اور گھبرائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ وہ دن گاندھی جی کا خاموشی کا دن تھا۔ ریل سے اترتے ہی کستوربا موٹر میں سوار ہو کر پرنالٹی پہنچی۔ ابھی گاندھی جی نے بونا پسند نہ کیا تھا اور وہ کستوربا سے ملنا اور بات چیت کرنا چاہتے تھے۔ پچھلے تین دنوں سے انتظار میں تھے۔ والدہ اور بیٹے کو بھی گاندھی جی کی بھوک ہڑتال کے متعلق بڑی تشویش تھی۔ کستوربا جلدی جلدی سیڑھیوں پر چڑھی گاندھی جی مسکرائے اور مل کر بڑے خوش ہوئے۔ ستیہ گره آشرم اور دیگر مضامین پر بات چیت ہوتی رہی۔ دوسرے دن ایسوی ایڈ پریس نے مفصلہ ذیل تار سب اخباروں کو روانہ کیا:-

”اخباروں کے نامہ نگاروں نے جب دریافت کیا کہ کستوربا

اور گاندھی جی کی ملاقات جذباتی تھی تو سر وجنی نسنڈو نے
جواب میں کہا کہ جذبات کے کیا معنی۔ ملاقات حسب معمول تھی اور
جذبہ بھی کیا ہوتا۔ پچاس سال تو شادی ہوئے گذر چکے تھے۔ کستوربا
کی تربیت گاندھی جی کے زیر اثر ہوئی تھی اور کوئی غیر معمولی مظاہرہ
ممکن نہ تھا۔ وہ ایسی باتوں کی عادی ہو گئی تھی۔

کستوربا اپنا بہت سا وقت گاندھی جی کے ساتھ گذارتی اور کبھی
بنگلے سے باہر نہ جاتی تھی۔ ۱۶ مئی کو تھیکر سے کی بیوی کے ساتھ خوب
بات چیت ہوتی رہی۔ جب اخبار کے نامہ نگار نے کستوربا سے گاندھی
جی کی صحت کے متعلق دریافت کیا تو مسکرا کر بولی۔ میں کیا کہوں؟ ابھی
تو اچھے ہیں۔ وہ بولتے بہت کم ہیں مگر آواز ویسی ہی ہے اگرچہ
ذرا دھیمی ضرور ہو گئی ہے۔

ایک اور اخبار داسے نے سوال کیا کہ کیا گاندھی جی اس بھوک
ہڑتال سے پنج نکلیں گے؟ کستوربا نے کہا کہ جو پر ماتا کی مرضی ہے وہی
ہوگی۔ مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے۔
تھوڑی دیر بعد پرارتھنا کی گھنٹی بجی اور کستوربا فوراً اٹھی اور
کہنے لگی۔ مجھے پرارتھنا کے لئے جانا ہے۔

۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو گاندھی جی کی بھوک ہڑتال کی ۲۱ دن کی تہی
آزمائش ختم ہو گئی۔ ۱۲ ۱/۲ بجے انہوں نے کستوربا کے ہاتھ اودھا گلاں
شگترے کے رس کا پیا۔ اس دن کستوربا بھوک ہڑتال کے ختم ہو جانے

پر بڑی خوش تھی اور وہ گاندھی جی کے سر ہانے بیٹھی رہی جب تک کہ پرارتھنا ختم نہ ہوگئی۔ رس کا گلاس دینے ہوئے بھی اس کی آنکھیں روشن تھیں اور خوشی کے مارے پھولی نہ سماتی تھیں۔ اس کامیاب اختتام کی یادگار میں اُس نے پرنا کٹی میں بیٹی کے مشہور افا سوامی کا ایک درخت اپنے ہاتھ سے لگایا۔ اس کی خوشی کا اندازہ مفصلہ ذیل پیغام سے لگایا جاسکتا ہے۔

”شکر ہے کہ بھوک ہڑتال کا کامیاب خاتمہ ہوا۔ پر ماتانے قوم کی پرارتھنا کو سن لیا۔“

”میں ان بہنوں کی (اپنی بھونوں کی) اور جو دوسرے ملکوں میں ہیں، جو پرارتھنا کرتی رہیں نہایت ہی مشکور ہوں۔ میری خوشی کا تو کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ مگر مجھے اور خوشی ہوگی جب ہر بھینوں کو بھی وہی درجہ دیا جائے گا جو دوسرے ہندوؤں کو دیا جاتا ہے۔“

معلوم رہے کہ کستور با بھی ۲۸ مئی سے برابر بھوک ہڑتال کر رہی تھی اور اس نے بھی اسی دن کچھ کھایا جس دن گاندھی جی نے کھایا مسلمان کستور با کی کس قدر عزت کرتے تھے مفصلہ واقعہ سے ظاہر ہے۔ ایک مسلمان نے اُس کے لئے ۲۹ مئی کو چوڑیوں کی جوڑی روانہ

کی اور ساتھ ”کم کم“ بھی بھیجا اور ایک خط میں لکھ بھیجا۔ میری طرف سے نذرانہ قبول فرمائیے اور اسے پہن لیجئے، یہ ہمیشہ کے لئے ایک خوش بختی کا نشان ہوگا۔ کستوربانے تحفہ کو بڑی خوشی سے منظور کیا اور جب گاندھی جی نے اس کے متعلق سنا تو وہ بھی بڑے حیران ہوئے۔

ماہ جون کے پہلے ہفتہ میں گاندھی جی کے لڑکے دیوداس کی منگنی راج گویا لاچارہ جی جی لڑکی لکھنسی جی سے قرار پائی، لڑکی ۱۱ جون کو پونہ آگئی۔ اور ۲۴ جون صبح ۱۴ بجے شادی بھی ہو گئی۔ گاندھی جی اور کستوربا نے انھیں ہاتھ سڑکاتے ہوئے سوت کی بنی ہوئی مالا تقویم کی۔

اسی اثناء میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر اپنی صاحب نے گاندھی جی سے مشورہ کرنے کے بعد سول نافرمانی کو ۳۱ جولائی تک معطل کر دیا۔ پہلے بھی ۸ مئی کو ایک دفعہ یہ تحریک ملتوی کر دی گئی تھی۔ اس وقت گاندھی جی سے قید سے رہا ہوئے تھے۔

آرام اور صحت یابی کے لئے گاندھی جی کچھ عرصہ تک پرنا گٹی میں رہتے رہے اور کستوربا ان کی دیکھ بھال کرتی رہی۔ ان ہی دنوں کانگریسی لیڈروں کا ایک جلسہ پونہ میں تلک مندر میں ۱۲ اور ۱۳ جولائی کو ہوا اس کے صدر اپنی صاحب تھے۔ گاندھی جی اگرچہ بہت کمزور تھے پھر بھی جلسے میں شامل ہوئے۔ اور تقریر کرتے ہوئے انہوں نے اپنے نظریہ کو بیان کیا۔ ۱۸ جولائی کو گاندھی جی اور کستوربا اور دیگر اصحاب پونہ سے احمد آباد آئے۔ چونکہ آشرم نہیں ٹھہرنے کا

کا ارادہ نہ تھا سب لوگ ریکوڈاس کے بنگلہ میں ٹہرے۔ ۲۱ جولائی کو گاندھی اور کستوربا سا برمتی حبیل میں میرا بن سے ملاقات کرنے چلے گئے۔

۳۱ جولائی کو گاندھی جی نے ایک بیان شائع کیا جس میں انہوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ میں ۳۳ اور ساتھیوں کے ساتھ ریس کے گاؤں میں جاؤں گا اور وہاں سے پھر آگے چلیں گے۔ سا برمتی آشرم کو توڑ دیا۔ شام تک آشرم بالکل خالی ہو گیا، اسی شام کو کوجو پرارتھنا ہوئی اس میں گاندھی جی نے لوگوں سے کہا۔

”پچھلے ۱۸ سال سے ہم آشرم کے ذریعہ لوگوں کی خدمت کر رہے اور اب اسی خدمت کی خاطر ہم آشرم کو توڑتے ہیں اسے دوبارہ زندہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔ اب تک تو آشرم میں رہنے والوں کی ذمہ داری مشترکہ تھی اب ہر ایک اپنے لئے آپ ذمہ دار ہو گا گویا خود ہی آشرم ہو گا۔

ردانہ ہونے سے پیشتر گاندھی جی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ۲۵ منٹ تک مشورہ کیا اور ان سے کہا کہ اگر میں گرفتار بھی ہو گیا تو آپ سب نے آگے بڑھے جا واجب تک کہ سب سے آخر کا ساتھی بھی گرفتار ہو جائے۔ کستوربا جو ساتھ جا رہی تھی گاندھی جی کی بات بڑے عزم سے سنتی رہی اور بالکل تیار تھی۔

گاندھی جی بعد کستوربا اور دیگر ساتھیوں کے جوڑس کی طرف

جانے کو تیار تھے۔ یکم اگست کو رات ایک بجے اور چالیس منٹ پر گرفتار
 کرائے گئے۔ یہ گرفتاریاں ایک خاص قانون کے ماتحت ہوئیں، اس وقت
 سب لوگ سیٹھ رنجو داس جی کے بنگلہ میں موجود تھے، بیان کیا جاتا ہے
 کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب اور سپرنٹنڈنٹ پولیس صاحب بلجہ اول
 پولیس کے افسروں کے رات پانچ بجے کے قریب بنگلہ پر پہنچے، وہ
 موٹروں میں سوار تھے اور گرفتاریاں کرنے آئے تھے۔ شام ۵
 بجے ہی کچھ لوگ بنگلہ کے ارد گرد جمع ہو رہے تھے۔ لوگوں نے جب پولیس
 افسروں کو آتے دیکھا تو نعرے لگانے شروع کئے اور دوڑے
 ہوئے گاندھی جی اور کستوربا ادران کے دیگر ساتھیوں کی خواہگاہ
 کی طرف گئے، نعروں کی آواز سے وہ جاگ اُٹھے۔ پراگھنا کے
 بعد بھجن پڑھے گئے۔ گاندھی جی اور کستوربا اور مہادیو ڈیسائی اوپر
 سے نیچے آئے اور گرفتار کر لئے گئے۔ گاندھی جی سپرنٹنڈنٹ پولیس
 کی موٹر میں بیٹھے اور کستوربا اور مہادیو ڈیسائی کو ڈیپٹی سپرنٹنڈنٹ
 کی موٹر میں بٹھلایا گیا اور سب کو ساہرمتی جیل میں لے گئے۔ کستوربا
 کو عورتوں کی جیل میں رکھا گیا اور انھیں "اے" کلاس ملی۔
 ہندوستان کی سیاسی فضا میں پھر بادل چھا گئے سارے ملک
 میں یک دم ہڑتالیں ہو گئیں۔

کستوربا کو تو ساہرمتی جیل میں ہی رکھا گیا اور وہ اپنے
 بیٹے دیو داس سے ۳ اگست بروز دیر دار ملی۔ مگر گاندھی جی اور

مہادیو ڈیسیائی کو دو اگست کو یرواڈہ جیل میں لے جایا گیا۔ گاندھی جی کو ۲۴ اگست صبح ۹ بجے رہا کر دیا گیا مگر پونے کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انھیں ہدایت کی کہ وہ جیل سے باہر نہ جائیں مگر گاندھی جی نے اس حکم کو نہ مانا اور تقریباً ایک گھنٹہ بعد پھر گرفتار کر لئے گئے جناب اسرائیل صاحب مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کئے گئے اور ایک سال قید محض کی سزا کا حکم ہوا۔ مقدمہ کی سماعت جیل میں ہی ہوئی اور گاندھی جی نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔

کستوربا اور ۵ دیگر عورتوں کو ۲۴ اگست ۱۹۳۳ء بروز سوموار ۱۱ بجے صبح سا برمتی جیل سے رہا کر دیا گیا۔ سب کے لئے خاص قوانین کے ماتحت یہ حکم تھا کہ سوکھ نافرمانی یا قانون کی خلاف ورزی نہ کریں یا کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے امن عامہ میں خلل پڑے اور جس مقام پر ان کو نظر بند کیا جاتا ہے۔ وہاں ہی رہیں اور جیل سے نکل کر دریا سا برمتی کے دائیں کنارے آشرم اور پجرا ب پالڈی کے گاؤں کے نزدیک بود و باش کریں۔

خان بہادر نادر شاہ نے جو سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اس حکم کو عورتوں کو سنایا اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا ارادہ ہے سب نے جواب میں کہا کہ ہم اس حکم کو نہیں مانتے اور جس جگہ ہمیں منتقل کیا جا رہا ہے وہاں ہم نہیں جاتے۔ چونکہ کستوربا اور ان کے ساتھیوں نے جیل نہ چھوڑا اس لئے انھیں بھی دوبارہ ۱۰ بجے

کے قریب گرفتار کر لیا گیا۔

دوسرے دن کستوربا کو زیر دفعہ ۱۱ (خصوصی ایکٹ) کے تحت سی جیسٹریٹ کے سامنے قانون کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں پیش کیا گیا جسٹریٹ صاحب جیل میں ہی تھے۔ کچھ لوگ اور اخباروں کے چند نمائندے بھی وہاں موجود تھے۔ کستوربا کھدر میں لمبوس زیر نگرانی سپرنٹنڈنٹ پولیس ۸ بجے عدالت میں پیش کی گئی۔ عدالت نے اُسے کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ بیا لعل صاحب سب انسپکٹر سرکار کی طرف سے پیش ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے کستوربا کو سرکاری حکم صاف طور سے سنا دیا تھا اور جیل چھوڑ دینے کے لئے کہا تھا اور وقت گزر جانے کے بعد دس منٹ اور بھی دئے تھے۔ ایک اور سب انسپکٹر صاحب نے بھی اس کی تائید کی۔ کستوربا نے دورانِ کارروائی میں کہا کہ میں حکم کو خوب سمجھ گئی تھی اور اسی لئے جیل سے باہر نہ گئی۔ عدالت نے دوبارہ شہادت طلب کی۔ اور سب انسپکٹر صاحب نے پھر کہا کہ حکم اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا خان بہادر نادر شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بھی بیان دیکر ہوئے یہ ہی کہا کہ کستوربا کو صاف طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ اگر وہ جیل سے نکل کر وہاں نہ گئی جہاں اس کو جانے کے لئے حکم دیا جاتا ہے تو اُسے دوبارہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ چنانچہ اُس کے لئے موٹر بس بھی تیار کی گئی۔ مگر اُس نے حکم ماننے سے

انکار کیا اور کہا کہ میں حکم نہیں مانتی اور قانون توڑنا چاہتی ہوں۔

کستوربانے جرح کرنے سے انکار کیا اور عدالت کی کارروائی میں کوئی حصہ نہ لیا۔ جب عدالت نے دریافت کیا کہ تم کیا کام کرتی ہو تو میں کہ جواب دیا کہ آپ کو تو معلوم ہی ہے۔

عدالت نے پھر پوچھا کہ تم کچھ کہنا چاہتی ہو تو جواب دیا کہ کچھ نہیں۔

میں نے حکم کو ادا نہیں مانا۔ مجھے سب کچھ معلوم تھا اور میں جانتی تھی کہ نہ ماننے سے کیا نتیجہ ہوگا۔ جب عدالت نے پھر سوال کیا تو کستوربانے جرم کا اقرار کیا۔ مجسٹریٹ نے فرد جرم لگا دیا۔ بعد میں دوسری عورتوں کا مقدمہ پیش ہوا مجسٹریٹ حسب نے ۴ بجے شام کے قریب حکم سنا دیا۔ سب کو مجرم قرار دیا اور سزا دے دی۔ کستوربا کو چھ ماہ کی قید محض ہوئی اور اسے ”اے“ کلاس میں رکھا گیا۔

اس دفعہ گاندھی جی کو پہلے جیسی سہولتیں نہ ملیں۔ پہلے وہ قید میں ہوتے ہوئے بھی ہر جینوں کے متعلق کہا اور سنا کرتے تھے اب کے ان کو نہ تو کسی سے ملنے کی اجازت تھی۔ نہ ہی کسی سر خط و کتابت کر سکتے تھے۔ اب کرتے تو کیا کرتے۔ آخر بیکاری نے انھیں مجبور کیا کہ ان رکادٹوں کو توڑنے کے لئے انہوں نے

۱۶ اگست (بدھ وار) سے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ حکومت کو پہلے سے اس بات کی اطلاع دے دی تھی کہ میرے مطالبات کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ اسلئے مجھے بھوک ہڑتال کرنی پڑی۔

کستوربا ایک اور قیدی (عورت) کے ساتھ سا برمتی جیل سے نکال کر ۱۹ اگست کو پونہ لے جانی گئی اُسے دوسرے درجے میں سوار کیا گیا۔ بعد ایک موٹر میں بٹلا کر سٹیشن سے یروادہ جیل لے جایا گیا۔ گاندھی جی کے پاس کستوربا کوئی آدھا گھنٹہ ٹہری ہوگی کیونکہ وہ دن گاندھی جی کی خاموشی کا دن تھا، اُسے زنا نہ جیل میں لے گئے جو سامنے ہی ہے۔ ۲۱ اگست کو کستوربا کو بلا شرط رہا کر دیا گیا۔ تمہرا داس ترکم جی نے اس کا جیل کے دروازے پر استقبال کیا۔ گاندھی کو ہسپتال لے گئے اور کستوربا اس وجہ سے بڑی فخر مند تھی۔

جیل سے باہر نکلتے ہی اخباروں کے نمائندوں نے کستوربا کو آگھیرا پہلے تو کستوربا نے گاندھی جی کی صحت کے متعلق دریافت کیا اور پھر سیدھی ہسپتال میں گئی اور وہاں دو گھنٹے تک رہی اور بعد پرنا کٹی واپس آئی، رات کو تو ٹہرنے کی اجازت نہ تھی اس لئے کستوربا ہر روز صبح و شام ان کے پاس چلی جاتی اور کچھ گھنٹے وہاں ہی رہتی تھی۔

۲۲ اگست کو گاندھی جی کو بھی اطلاع موصول ہوئی کہ

حکومت نے انہیں رہا کر دیا ہے اور وہ بھی بلا شرط۔ تب انہوں نے بھوک ہڑتال بند کر دی۔ اینڈریوز صاحب اس وقت ہسپتال میں موجود تھے اور انہیں بھی رہائی کی خبر مل گئی۔ گاندھی جی نے پرنائکٹی میں جانے کی خواہش ظاہر کی۔ کستوربا کو اس بات کی خبر نہ تھی اور گاندھی جی کی موٹر اس کے پاس سے گزری جب وہ ہسپتال جا رہی تھی۔ بغضیہ پولیس کے ایک افسر نے کستوربا کو پہچان لیا اور اس کی موٹر کو کھڑا کر دیا۔ اس وقت متھرا داس تریکم جی بھی اس کے ساتھ تھے کچھ فاصلہ پر موٹر ٹہری اور وہ واپس لوٹی۔ اینڈریوز سے کچھ باتیں کر کے کستوربا گاندھی جی سے پہلے پرنائکٹی جا پہنچی تاکہ ان کے لئے کچھ انتظام کر دے۔ گاندھی جی کی موٹر جب پرنائکٹی پر پہنچی تو کستوربا میرا بن ٹھیکر سے کی بوی اور متھرا داس استقبال کرنے لئے موجود تھے۔ انہوں نے خوش آمدید کی۔ چنانچہ گاندھی جی کو چار پائی پر لٹا کر سنگ مرمر کی سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے ایک کمرے میں لے گئے جہاں وہ پہلے بھی رہ چکے تھے۔

جب گاندھی جی رہا ہوئے تب لوگوں کو پتہ چلا کہ کستوربا اسی دن سے جب گاندھی جی نے بھوک ہڑتال شروع کی تھی تھوڑا سا کھانا کھا کر گزارہ کرتی رہی۔ کبھی کبھی تو صرف تھوڑا اچھل کارس پی لیتی تھی۔ ۱۵ ستمبر تک کستوربا پرنائکٹی میں ٹہری رہی اور گاندھی جی کی تیمارداری کرتی رہی اور پھر ان کے ساتھ بمبئی آئی اور ایک

ہفتہ وہاں رہی، ۲۳ ستمبر کو سب کے سب واروہا پہنچے۔ یہاں مکمل آرام کے لئے گاندھی جی دو ہفتہ ٹہرے۔ اس کے بعد ہندوستان کا دورہ کرنے نکلے اور ہریجنوں کے سدھار کے لئے روپیہ جمع کرنے لگ گئے۔

۲ اکتوبر کو کستوربانانگپور میں ایک جلسے میں گئی۔ اس کے صدر کھارے صاحب تھے اور اس دن گاندھی جی کا جنم دن تھا۔ ایک چاندی کے ڈبے میں کستوربا کو عورتوں کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا۔ جس میں اس کی قومی خدمات جو اس نے گاندھی جی کی رفاقت میں کی تھیں، اظہارِ قدر وانی کیا گیا۔ جواب میں کستوربانے کہا کہ ہمیں غیر ملکی کپڑے کا استعمال نہیں کرنا چاہیے اور اپنے دیش کی نبی ہوئی اشیاء خرید کرنی چاہئیں۔ گاندھی جی کا یہ ہی کہنا ہے۔

گاندھی جی، نومبر ۱۹۲۳ء وائے دن واروہا سے روانہ ہوئے ان کا ارادہ تھا کہ ہریجنوں کے سدھار کے لئے روپیہ جمع کریں اور چھوٹ چھات کے برخلاف آواز اٹھائیں۔ گاندھی جی کے ساتھ کستوربا سینٹھ جنناٹل سجاج اور ٹھاکر صاحب اور دیش پانڈے جی بھی تھے پہلے سی، پی کے چند گاؤں ملاحظہ کئے۔ بعض مقامات پر مخالفین نے جلسوں میں شورش کی مگر بہت سی جگہ جلسے کامیاب ہوئے روپیہ خوب جمع ہوا اور بہت جگہ مندروں میں ہریجنوں کو آنے جانے کی اجازت بھی ملی۔

کستور با اور منی بن ریشیل صاحب کی صاحبزادی) اور پرچی بھا
 ڈیائی رگاندھی جی کے پڑانے ساتھی) سب کے سب ۲۸ نومبر
 ۱۹۳۳ء وائے دن گرفتار کر لئے گئے، وہ احمد آباد سے ریس
 چارج سے تھے۔ مگر جب مذیاد کے سٹیشن پر گاڑی پہنچی تو انہیں گرفتار
 کیا گیا۔ دووردی وائے پولیس افسر اور چیف بغیر وردی کے خفیہ پولیس
 کے آدمی گاڑی میں داخل ہوئے اور گرفتار کرنے کے بعد موٹر
 میں بٹھلا کر ملزموں کو آندے گئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب
 کے سامنے پیش کیا۔ اور کہا کہ یہ کانگرس کے خیالوں کو پھیلانے ریس
 جا رہے تھے۔ البتہ انہوں نے حکام کو پہلے سے اطلاع دے دی
 تھی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے حکم دیا کہ مبسبی احاطے کے خاص قانونی
 اختیارات کے ماتحت ملزم ایک ماہ تک ٹیکس کا نہ دینا اور قانون
 شکنی کرنا سول نافذ ماتی کرنا وغیرہ۔ بند رکھیں اور ضلع کیرا کی حد سے باہر
 ہو جائیں۔ چونکہ حکم کی تعمیل نہ کی گئی اس لئے پھر دوبارہ گرفتاریاں
 ہوئیں۔

دوسرے دن ہی کستور با کی گرفتاری کے متعلق کلکتہ کی کارپوریشن
 میں معاملہ چھپڑا۔ منی بن کو ۵ ماہ کی سخت قید کی سزا دی گئی مگر کستور با
 کے برخلاف مقدمہ وائے لیا گیا اور حکم ہوا کہ چونکہ گاندھی جی کو بھوک ہڑتال کے
 وقت اس پیش از وقت رہا کیا تھا وہ عرصہ پھر قید میں رہے۔ اسی لئے کستور با کو ساہتی
 جیل میں لیجا یا گیا اور ۶ مئی کو وقت پورا ہونے پر رہا کر دیا گیا۔

(۱۱)

ہریجن سدھار-۱

جن دنوں کستور با قید تھی، گاندھی جی ہریجنوں کے سدھار کے لئے دورہ کر کے روپیہ جمع کر رہے تھے۔ جب وہ قید سے رہا ہو کر آئی تو گاندھی کئی صوبوں میں جا چکے تھے، اور انہوں نے بہت سا روپیہ بھی جمع کر لیا تھا۔ دورہ کرنے سے سارے ملک میں ایک نئی روح بھونکی گئی اور ہر مقام پر بڑا استقبال ہوا، البتہ کچھ ایسے مقصب ہندو بھی تھے جو خود غرض لوگوں کے پتے میں پھنس کر اس کام میں گاندھی جی کی مخالفت کرتے تھے، انہوں نے بڑے زور سے گاندھی جی کی مخالفت کی۔ انصاف کو ایک طرف رکھ کر ان لوگوں نے دو دفعہ کوشش کی کہ گاندھی جی کا خاتمہ کر دیں۔ مگر وہ اپنے مقصد

۱۷۵۰۷

۹۲۳۵۲

گلاب گزیت

کتور باقاندی



کیا اور ایک جلسے میں تقریر بھی کی۔ جلسہ میں کچھ لڑائی جھگڑا ہو گیا۔ پنڈت لال ناتھ جو ایک معزز سائن دھرمی تھے اُن کے چوٹ آئی، دوسرے دن گاندھی جی بیوا پہنچے اور موٹر کے ذریعے کراچی گئے اور وہاں ۷ جولائی کو پہنچے وہاں بھی چار دن تک بڑی دھوم دھام رہی۔ کراچی کی کارپوریشن نے ایڈریس پیش کیا اور وہاں کستور باہمی موجودگی ابھی گاندھی جی کراچی میں ہی تھے کہ انہوں نے واردہ دادا پس جانے پر ایک ہفتہ تک بھوک ہڑتال کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اجیر میں پنڈت لال ناتھ کو جو چوٹ آئی تھی اس کا ازالہ بھی کرنا تھا۔ اخبار دلوں کی کانفرنس میں جو ۱۱ جولائی کو ہوئی کسی نے پوچھا کہ اگر کستور با آپ کی بھوک ہڑتال کا سُن کر گھبرائی تو۔ گاندھی جی نے جواب میں کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، وہ کبھی میرے راستے میں روکاٹ نہیں ڈال سکتی۔ اُسے دکھ تو ضرور ہوتا ہے مگر پھر بھی وہ بڑی بہادر عورت ہے۔ اور یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا کیونکہ وہ میری بیوی ہے۔ فی الواقع ایسا ہی ہے۔

۱۱ جولائی کی صبح گاندھی جی بعد کستور با اور دیگر ساتھیوں کے کراچی سے لاہور کی طرف روانہ ہو گئے۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے لاہور پہنچے۔ وہاں اُن کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔ لاہور میں پانچ دن تک لاجپت رائے بھون میں قیام رہا، بہت سے جلسے ہوئے اور گاندھی جی اور کستور بانے گفت و آواز میں اور ایڈریس ملے اور

ہریجنوں کے لئے روپیہ جمع کیا گیا اور ہریجنوں کی بستیاں ملاحظہ کی گئیں اور کانگریس کے کارکنوں سے ملاقاتیں ہوئیں جن میں سرحدی صوبہ کے کانگریسی بھی شامل تھے۔

۱۳ جولائی کو کستوربا کے لئے ایک خاص جلسہ موری دروازہ کے باہر ہوا جس میں سارے صوبہ کی عورتیں موجود تھیں۔ مسز زنتشی نے ایڈریس پڑھا جو ایک چاندی کے برتن میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ ”مہاتما گاندھی کی جے“ اور ”ماتما کستوربا کی جے“ کے نعرے بلند ہوئے اور ایڈریس کے جواب میں کستوربانے یوں کہا:-

”ہریجنوں کی حالت بڑی خراب ہے، وہ لوگ میلے اور اندھیرے گھروں میں بود و باش کرتے ہیں اور ان کے پاس کھانے اور پہننے کے لئے بہت کم ہے۔ اونچی ذاتوں کی عورتوں سے میں اپیل کرتی ہوں کہ ہریجنوں سے نفرت نہ کریں، بلکہ ان اپنائیں، ان کی سیوا ایشور کی سیوا ہے۔ اونچے اور نیچے کا امتیاز دور کر دو، غریبوں اور نیچوں کو اٹھانا بڑا ہی اچھا کام ہے اور ایسا کرنے سے انسان کو ایشور کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ پر ماتما ان کو پیار کرتا ہے جو اس کی غریب اور نیچے طبقہ کی مخلوق کو پیار کرتے ہیں۔“

کستوربانے عورتوں سے یہ بھی کہا کہ تم کھدر پہنو۔ کہنے لگی کہ پنجاب کی عورتوں کو غیر ملکی کپڑا پہننے کا بڑا شوق ہے اور مجھے یہ

یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ دوسرے صوبوں کا یہ حال نہیں، ایسے کپڑے پہننا ترک کر دو اور کھدر پہن کر گاؤں کے رہنے والوں کی مدد کرو۔ ہندوستان کی دولت کو باہر مت جانے دو۔ بدیشی اشیاء کا استعمال ہی ہماری غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کر رہا ہے اور عورتیں ہندوستان کو آزاد تب ہی کر سکیں گی جب وہ کھدر کا استعمال کریں گی اور دیش کی بنی ہوئی چیزیں خریدیں گی۔ جلسہ ختم ہونے سے پیشتر ہر کچن فنڈ کے لئے بہت سارے روپیہ جمع ہوا۔ ۱۶ تاریخ کی صبح ہی کستور با موٹر میں بیٹھ کر دیناگر کو روانہ ہو گئی وہاں اُسے رام منج دت بھون کو کھولنے کی رسم ادا کرنی تھی راستے میں کوئی دو گھنٹہ گوروا سپور میں ٹہری اور دس بجے پہنچے ہی آریہ سماج مندر میں ایک بڑا جلسہ ہوا، لوگوں کو کھدر پہننے اور سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کی، اور ہر کچن سدھار پر بھی زور دیا اور کہا کہ ہر بچنوں کے گھروں کو دیکھو اس لئے کہ انہیں ان کی ضروریات اور مشکلات کا پتہ چلے اگر تمہارا گاندھی جی سے پیار ہے تو ان کے مشن سے بھی پیار ہونا لازمی ہے۔ جب کستور بانے روپیہ کے لئے اپیل کی تو سب طرف سے روپیہ کی بارش ہوئی۔

۱۷ جولائی کو سب کے سب دہلی کو روانہ ہو گئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے ۱۹ تاریخ کو کلکتہ پہنچے۔ وہاں کچھ وقت ٹھہرے اور ۲۲ جولائی کو کانپور آئے اور وہاں پانچ دن تک قیام رہا

۲۷ جولائی کو بنارس پہنچے جہاں چار دن تک جلسے ہوتے رہے اور ۳۱ جولائی کو وہ دورہ ختم ہو گیا۔ اسی دوران میں ہر یکنوں کے سدھار کے لئے کوئی ۸ لاکھ قریب روپیہ جمع ہوا۔ سرب ہند ہر یکن سیواسنگ اس کام کو جاری رکھ رہا ہے اور سب صوبوں میں سنگ کی شاخیں موجود ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ۲۷ جولائی کو بنارس میں کانگریس کی کارکن کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا اور اس میں فرقہ دارانہ تقسیم کے سوال پر بات چیت ہو رہی تھی اور پنڈت مدن موہن مالویہ اور ایسی صاحب کانگریس سے متفقہ رائے نہ ہونے کی وجہ سے متعفی ہو گئے تھے۔ بنارس سے گاندھی جی پٹنہ گئے اور وہاں ۲ اگست کو پہنچے اور صرف دو دن ٹہرے اور وہاں سے ۵ اگست کو واپس پہنچ گئے اور اعلان کے مطابق ۷ اگست صبح کو بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ حسب معمول کستوریا کو بڑا نگر ہوا۔ چنانچہ وہ راتوں جاگتی رہی اور ایک دن بیوی کی طرح گاندھی جی کی خدمت کرتی رہی اور جو لوگ وہاں موجود تھے ان کو برابر حوصلہ دیتی رہی۔ ۱۲ اگست صبح چھ بج کر ۲۰ منٹ پر منٹ پر بھوک ہڑتال ختم کر دی گئی۔ آشرم میں بڑی سادہ سی رسم ادا کی گئی۔ لوگ تو تقریباً ۱۵ بجے سے جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ گاندھی جی کے پسندیدہ بھجنوں اور پراگھنا کے بعد کستوربانے ایک گلاس میں شہد دیا جسے گاندھی جی آہستہ آہستہ چاٹ رہے۔

ہرکین سدھار - ۲

کستور باجہ پنجاب کی اچھوت ادھار کا فرنس نے صدر سز
 ہوئی تھی امرتسر پہنچی اور ۲۱ مارچ ۱۹۳۶ء کی شام کو ایک بڑا
 شاندار جلوس شہر میں سے گذرا۔ امرت سر اور دیگر اضلاع کے
 ہر کین جلوس میں شریک تھے۔ آخر پر دو موٹر تھے جن میں سے ایک
 میں کستور باسوار تھی، بازار سج رہے تھے اور دونوں طرف ناظرین صف
 بستہ کھڑے تھے۔ ہجوم زور سے تالیاں بجا رہا تھا۔

کستور با اور دیگر بڑے بڑے لوگوں کو بھونوں کے ہار پہنائے
 گئے اور پھول بچھا ور کئے گئے۔ جلوس جلیا نوالہ باغ میں ختم ہوا اور
 ایک بڑے شامیانہ کے نیچے کا فرنس منعقد ہوئی شہر کے بڑے بڑے

آدمی موجود تھی گو سوامی گنیش دت جی نے کانفرنس کی افتتاحی رسم ادا کی۔ آپ پنجاب کی سنا تن دھرم پر تھی مذہبی سبھا کے سکریٹری تھے۔ لاندہ روپ لعل جی نے جو اس وقت بلیک میٹی کے صدر تھے خوش آمد کا ایڈریس پیش کیا۔ جب کستوربا اپنا خطبہ صدارت سادہ ہندوستانی میں پڑھنے کے لئے اٹھی تو خوب تائیاں بجنیں۔ آواز کم ہونے کی وجہ سے میں جتنا لعل بجاج نے ان کے خطبہ کو پڑھا۔ کستوربا نے دورانِ تقریر میں کہا:-

”ہر بچوں کے سدھار کی تحریک ہماری زندگی کا ایک اہم جز بن چکی ہے۔ ہمارے دلوں پر گھر کر گئی ہے اور ہم سچائی اور دھرم کے راستے پر اس کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھاسکتے۔ خوش آتی ہے پنجاب نے سرسبز بننا چاہا۔ کی ایسی بڑی حالت نہیں جیسی دوسرے صوبوں میں ہے، خاص کر کے جنوبی ہندوستان میں جہاں حالت ناگفتہ بہ ہے اس لعنت کو دور کرنے کی کوشش بہت ہوئی۔ سکھوں کے گوروں نے لوگوں کو آپس میں ملانے کی بڑی کوشش کی۔ سوامی رام تیرتھ نے سب سے پیار کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی۔ گوردوانہ صاحب نے تو اونچ نیچ کا امتیاز بالکل اڑا ہی دیا۔ آریہ سماج نے بھی اس کے متعلق بہت کچھ کیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ پنجاب میں اس مسئلہ کے متعلق کوئی الجھن نہیں۔ دوسرے

صوبوں میں البتہ ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ پنجاب میں اچھوت پن نابود ہے۔ ہم نے اس مرض کو جڑ سے ہٹا تو دیا ہر مگر ابھی اکھیٹر نہیں پھینکا، یہ کوئی معمولی سا گناہ تو نہیں۔ اس کو دھونا بڑی تریانی اور ایثار چاہتا ہے اور وہ تریانی بھی بے غرضانہ ہونی چاہیے۔ گاندھی جی نے بہت دفعہ کہا ہر کہ یہ تحریک سیاسی نہیں بلکہ یہ تو نئی نوع انسان کے لئے ہے اور ہمارے گناہوں کی تلافی ہے۔ سچی اور بے غرضانہ خدمت ایک طرح ہمارے قدیمی دھرم کی خدمت ہے۔

مجھے تو اس بات کو سن کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ہر کچھوں کو اپنے دھرم میں شامل کرنا چاہتے ہیں، ایسا کرنا کیا کوئی دھرم کا کام ہے؟ سب دھرم سچائی کی عظمت پر زور دیتے ہیں۔ مذہب کی تبدیلی بے معنی ہے؟ ہمیں تو غریب اور کمزور کی خدمت کرنی ہے نہ کہ خود غرضی کے جذبہ کے ماتحت دوسروں کو پامال کرنا ہر جو شخص دنیوی مفاد کو مد نظر رکھ کر اپنے مذہب کو تبدیل کرتا ہے وہ بھلا کب اطمینان قلب حاصل کر سکتا ہے۔ ہمیں دوسرے مذاہب سے کیا واسطہ۔ ہم نے تو اپنی اندرونی کمزوریوں کو دور کرنا ہے۔ اگر ہم اپنے روح کو پاکیزہ کر لیں تو اچھوت پن کی لعنت ہندوؤں میں سے بالکل دور ہو جائے۔ پھر بھلا کیوں کوئی اپنے دھرم کو چھوڑ کر دوسرا دھرم اختیار کر لیا؟ ایسا کرنا تو ہندو

مسلمان عیسائی اور سکھ میں کوئی امتیاز نہیں کر گیا۔ ایسا کرنا تو وہی چھوٹ
 بن ہوا۔ اسی لئے میں کہتی ہوں کہ اگر چھوٹ بن جاتا رہا تو فرقہ ۱۰۰ امتیاز بھی جلا سکتا
 ہر بچنوں کے لئے پنجاب کی کوششیں بڑی تسلی بخش ہیں۔ ہر بچن
 سیوانگ کے پانی فٹڈ میں تقریباً ۱۵ ہزار روپیہ جمع ہوا ہے یہ
 شرمیلی رامیشری نہرو جی کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ہمیں
 ان کی نیک مثال اور ان کی سرگرمی اور خدمت سے سبق سیکھنا
 چاہیے۔ کانگرہ کے پہاڑی علاقہ میں پانی کی بڑی تکلیف ہے۔ یہ
 روپیہ ناکافی معلوم ہوتا ہے۔ جتنا آپ دیں وہ تھوڑا ہے۔ کنوئیں
 اور مندر ہر بچنوں کے لئے کھول دینے چاہیں۔ مجھے سن کر بڑی خوشی
 ہوئی ہے کہ پنجاب کی ساتن دھرم پر تھی مذہبی سبھا اس کام کو
 کر رہی ہے

پنجاب جیسے صوبہ میں جہاں پانچ دریا بہ رہے ہیں۔ بھلا
 ہر بچنوں کو پانی نہ ملے! اور ہر بچنوں کو مندروں میں جانے کی
 اجازت نہ ہو! بھلا اس سے زیادہ ادھرم کیا ہو سکتا ہے۔ اس
 یہودہ بن کو خستہ کرنا چاہیے۔

ہر بچنوں کے لئے مجھے کہنا ہے۔ جو ان میں سے شراب پیتے ہیں
 وہ اُسے پینا چھوڑ دیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ہر بچن جو ا
 بھی کھیلتے ہیں۔ یہ بڑی عادت بھی انھیں چھوڑ دینی چاہئے انھیں
 انھیں صاف اور ستھرے رہنا چاہئے نہ وہ شراب پیئیں اور نہ

جو اکھیلیں، پر ماتا کو یاد کریں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں
مجھے اپنی بہنوں اور لڑکیوں سے بھی کچھ کہنا ہے۔ عورتیں دلوں
کی نسبت دھرم کی اصلاح زیادہ کر سکتی ہیں۔ ہر بچہوں کے گھر وں میں
میں جا کر عورتیں انہیں لکھا پڑھا سکتی ہیں۔ سینا پر ونا سکھلا سکتی
ہیں اور کئی طرح سے ان کا سدھار کر سکتی ہیں
اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے کستور بانے کہا :-

ایشور تمہارے دلوں میں وہ آگ روشن کرے کہ اچھوت پن اس
میں بل کر رکھ ہو جائے۔

پنجاب کی عورتوں کو انہوں نے یہ پیغام دیا۔

”پانچ دریاؤں کی سر زمین کی عورتوں کو چاہیے کہ وہ اچھوت
پن اور دیگر برائیوں کے دور کرنے میں سرگرمی سے کوشاں رہیں
ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے بھائیوں اور بہنوں کی اس کام میں مدد
کریں۔“

امر تھر سے وار دھا کی طرف روانہ ہونے سے پہلے کستور بانے
ہر بچہوں کے ساتھ بیٹھ کر (جو پنجاب کے ہر صوبہ سے آئے تھے) کھانا کھایا
مسی مہینہ کے خاتمہ پر گاندھی جی صحت کی خاطر ندی بہاڑ پر
چلے گئے۔ کستور با، رامپور، نہرو اور مہادیو ڈیسائی ان کے ساتھ
گئے۔ واپسی پر وہ سب بنگلور ٹہرے۔ ۱۳ ارجون کو مدراس بھیجے کیونکہ
سٹیشن پر ہجوم جمع تھا۔ بسین برج پر اتر گئے۔ وہاں بھی کانگریسیوں

کا ہجوم تھا۔ موٹر پر سوار ہو کر گاندھی جی اور ان کے ساتھی
 نبلم پہنچے اور ہندی پر چار کے لئے جو مکان تیار
 ہو رہا تھا اُسے دیکھا اور وہاں سے کلیاں ہوتے ہوئے ٹرپا گیس
 سے گذرتے ہوئے بسین برج آگئے اور ریل پر سوار ہو کر وار دھا کی
 طرف روانہ ہو گئے۔

اخباروں کے نمائندے سٹیشن پر موجود تھے اور گاندھی جی سے
 ملنا چاہتے تھے۔ مگر وہ نہ مل سکے۔ چلنے راج گوبال آچاریہ سے باتیں
 ہوتی رہیں۔ گاندھی جی پہلے کی نسبت اچھے تھے اور اخباروں کے
 نمائندوں سے کہنے لگے کہ میرا وقت نندی پہاڑ اور بنگلور میں بہت چھٹی
 طرح گذرا۔

۲۲ جنوری ۱۹۳۷ء سے گاندھی جی نے سیاسی کام چھوڑ دیا مگر
 بہت قلیل عرصہ کے لئے۔ کچھ سالوں تک سیواگرام آسٹرم میں ہی
 رہتے رہے اور ایک طرح سے وہی مرکز بنا رہا۔ جب کانگریس نے
 انتخابات میں شرکت کی اور کامیاب ہوئی تو سات صوبوں میں کانگریسی
 وزارتیں قائم ہو گئیں، ان دنوں بڑے بڑے اہم مرحلے طے ہوئے
 اور ملک کی باگ دوڑ گاندھی جی کے ہاتھ میں آگئی۔ چنانچہ کستور بااُن
 کی بڑی مدد کرتی رہی۔

(۱۳)

راج کوٹ میں ستیہ گره

۱۹۳۹ء کے شروع میں ہی کستوربانے باوجودیکہ صحت بھی اچھی نہ تھی راجکوٹ کے ستیہ گره میں نمایاں حصہ لیا۔ پہلے تو سردار پیل اور دوسروں سے مشورہ کیا۔ پیل صاحب لکھتے ہیں کہ میری مرضی کے خلاف کستوربانے راجکوٹ جانے کے لئے بڑا اصرار کیا اور مجبوراً مجھے ہاں کرتی پڑی۔ ایک دفعہ پہلے بھی جب میری لڑکی منی بن گرفتار ہوئی تھی تو کستور باجانا چاہتی تھی مگر میرے کہنے سننے سے رک گئی۔ مگر اب کے تو وہ بالکل نہیں مانتی تھی حالانکہ صحت بھی خراب تھی۔ کستور باراج کوٹ کی رہنے والی ہے اور چونکہ وہاں حالات بڑے تشویشناک تھے اور حکام ریاست اور ایجنٹ صاحب ہند کر رہے

تھے اور رعایا ظلم کے مارے دہی جا رہی تھی، بھلا کستور با کس طرح گھر بیٹھی رہتی اور صحت کا کس طرح خیال کرتی۔ سن ۱۹۳۷ء میں جب سول نافرمانی کی تحریک زوروں پر تھی تو وہ کسی دفعہ جیل ہو آئی تھی اس وقت اس نے سب مصائب برداشت کئے، اب تو عمر بھی زیاد ہو گئی تھی مگر اس کا جوش کم نہ ہوا اور مجھے اُمید ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ راج کوٹ والی آزمائش میں بھی وہ کامیاب رہے گی۔

چنانچہ کستور با بعدہ منی بن کے ۳ فروری کو شام ۳ بج کر ۴۰ منٹ پر راج کوٹ پہنچی، دو دنوں کو اسی وقت گرفتار کر لیا گیا اور موٹر پر سوار کر کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں لے گئے، گاؤں کا نام سنو سارا تھا۔ ریاست کے پولیس کمشنر اور ڈاکٹر صاحب نے چھ تاریخ کو ملاقات کی اور اسی دن کستور با اپنے لڑکے دیو داس کی بیٹی - دیو داس نے جب والدہ اور منی بن کو اس گاؤں میں نظر بند دیکھا تو اسے بڑا رنج ہوا۔ مکان بہت ہی تنگ تھا اور گاؤں بھی گند تھا۔ پانی کی قلت تھی اور دوسرے لانا پڑتا تھا۔ سبزی اور پھل تو ملنے ہی نہ تھے؛ کوئی ڈاکٹر دہاں نہ تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد منی بن کو دوسرے گاؤں میں لے جایا گیا اور اس وجہ سے اس نے فوراً بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ ۲۸ فروری کو گاندھی جی کستور با سے ملنے گئے اس وقت تریبا میں تھی۔

گاندھی جی نے کہلا بھیجا کہ میں راج کوٹ میں ہی رہوں گا جب

تک کہ کام ختم نہ ہو۔
۳ مارچ کو کستوربا کو ایک خط گاندھی جی کی طرف سے ملا جس
میں یہ لکھا تھا۔

”مجھے اُمید ہے آپ وہاں اچھی طرح سے ہوں۔ اگر دل
نہیں لگتا تو یہاں چلی آؤ۔“

۴ مارچ سے گاندھی جی نے بھوک ہڑتال کرنے کا اعلان کر دیا
گاندھی جی کے دوستوں نے حکام ریاست سے اجازت چاہی کہ
وہ کستوربا سے ملاقات کر سکیں مگر اجازت نہ مل سکی۔ کیونکہ ٹھاکر
صاحب سے مشورہ کرنا تھا پھر اجازت دے دی گئی اور ڈاکٹر
سوشیلانیز شریستی وجے بن اور نرائن داس جی کستوربا سے ملنے
گئے۔ یہ گاندھی جی کی بھوک ہڑتال کا پہلا دن تھا۔

گاندھی جی کے خط کے جواب میں کستوربانے اُن کو لکھ بھیجا کہ آپ
نے بھوک ہڑتال کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ کیا ہوتا۔ گاندھی جی
نے جواب میں لکھا۔

”آپ یونہی فکر مند ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایشور نے
مجھے اس کی مرضی پورا کرنے کا موقعہ دیا ہے۔ آپ سے یا کسی
اور سے کس طرح مشورہ کرتا۔ مجھے تو خود معلوم نہ تھا کہ کیا ہونیوالا
ہے۔ پر ماتا کی طرف سے اشارہ ہوا اور مجھے حکم ماننا ہی پڑا۔
جب اس کی طرف سے آخری بلاوا آجائے تو کون انتظار کر سکتا ہے

اور پھر آپ سے اور کسی سے مشورہ کیا۔

البتہ کستور با اس بھوک ہڑتال پر بڑی تشویش میں تھی۔ گاندھی جی نے ڈاکٹر سوشیلا سے زبانی کہہ بھیجا تھا کہ اگر کستور با آنا چاہے تو آ سکتی ہے۔ کستور بانے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں نہیں آتی۔ ہاں مجھے روز کے روز خبر مل جانی چاہیے کہ گاندھی جی کیسے ہیں پہلی آڑاٹھو میں پر ماتانے ان کو محفوظ رکھا۔ اب بھی وہ ہی اُنھیں محفوظ رکھے گا۔ مگر بار بار ایسے خطرے میں پڑنا بھی اچھا نہیں۔

گاندھی جی تک بھی یہ الفاظ پہنچ گئے اور کہنے لگے۔ ہاں ایسا بھی ہونا ممکن ہے۔ مگر یہ روحانی بھوک ہڑتال ہے۔ نتیجہ کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ مجھے تو اس پر ماتا کی مرضی پر چلنا ہے۔ فرض کی ادائیگی میں اگر موت بھی آجائے تو آنے دو۔

گاندھی جی ریاست کے حکام سے دریافت کر بھیجا کہ کستور با نظر بند ہے یا قید۔ کچھ جواب نہ ملا۔ مگر ہمارے تقریباً دو ماہ کے وقت ریاست کی موٹر کستور با کو راشٹر شالہ میں چھوڑ گئی۔ بمبئی کے لئے کستور با کو کہا کہ ٹھاکر صاحب کی مرضی ہے کہ آپ گاندھی جی سے ملیں۔ جب ذرا بات اور کھلی تو معلوم ہوا کہ بھوک ہڑتال کے دنوں میں کستور بانے گاندھی جی کے پاس ہی رہنا ہے۔

ظاہر ہی ہے کہ گاندھی جی کا کستور با کے متعلق دریافت ہی باعث بنا کہ وہ ان کے پاس آ کر رہے۔ مگر کستور بانے اس رعایت کو منظور

نہ کیا اور وہ واپس ترمبھلی گئی۔ دوسرے دن اُسے اور منی بن کو بغیر کسی شرط کے چھوڑ دیا گیا۔ گاندھی جی کی بھوک ہڑتال بھی مارچ کو ختم ہو گئی۔

بہت سوچ بچار کے بعد گاندھی جی کی یہ رائے ہوئی کہ وائسرائے صاحب کی مداخلت پر بھوک ہڑتال چھوڑ دینا ایک طرح سے بڑا گناہ تھا۔ اس سے کستوربا اور گاندھی جی کی عمر رسیدہ ہمشیرہ کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ کستوربا نے گاندھی جی سے کہا کہ آپ اپنی ہمشیرہ کی دلجوئی کیجئے۔ جو گفتگو اس بارے میں ہوئی مرحوم مہادیو ڈیسیائی اُسے اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”گاندھی جی نے مسکراتے ہوئے کستوربا سے کہا کہ تم میرے حق میں کیوں نہیں ہو۔ کستوربا نے جواب میں کہا کہ میں کس طرح آپ کے حق میں کچھ کہوں۔ مجھے تو بات سمجھ نہیں آتی۔ گاندھی جی نے کہا کہ تمہیں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیا نہیں یاد ہے، جب تم جنوبی افریقہ میں قریب امرگ تھی اور ڈاکٹر نے آپ کو چوزہ کی یعنی پینے کے لئے کہا تھا؟ کستوربا نے جواب میں کہا کہ ہاں مجھے یاد ہے۔ پھر گاندھی جی نے کہا کہ تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ جو مرضی ہے کر دو تو

تم نے کہا تھا کہ میں مر جاؤنگی مگر بخنی نہیں بیوں گی۔ تم نے یہ اس لئے کہا تھا کیونکہ تمہارا دشو اس ایشور پر تھا اور تمہیں معلوم تھا کہ ایشور اگر چاہے تو تمہیں بچا سکتا ہے مگر تم اپنا پر ن توڑنے کے لئے طیارہ نہ تھی۔ تب گاندھی جی نے کہا کہ مجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ یعنی مجھے بھی لہوک ہسپتال جاری رکھنی چاہیے تھی جب تک کہ خود ٹھا کر صاحب اور دربار دیرا والا میرے پاس نہ آتے اور کہتے کہ مہربانی کر کے لہوک ہسپتال چھوڑ دو۔ مگر میں لڑکھڑایا۔ مجھ انگریزوں کی مدد لینا پڑی۔ کیونکہ میں مرنے سے ڈرتا تھا اور یہ گناہ ہے اور گناہ کرنے سے اگر کچھ ملا تو مجھے پھل کا تیاگ کرنا چاہیے۔ مگر ٹھا کر صاحب اور دربار دیرا والا راستے میں ڈرا اٹکاتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو معاملہ درست ہو جائے وہ ضد کرتے ہیں۔

وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کیونکہ مجھ سے شروع میں ہی غلطی ہو گئی۔ میں نے انہیں ناراض کر دیا۔ بھلا وہ مجھ سے کیوں اچھا سلوک کرتے؟ دراصل وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے یہ رکاوٹ پرانا تا کی طرف سے ہے۔ اب ایشور نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے سیدھا راستہ دکھلایا ہے۔ جتنی جلدی میں گناہ سے تویہ کزوں اتنا ہی اچھا ہو گا کیا تم ایسا خیال نہیں کرتی ہو؟

کستور بانے بھی بے خوف ہو کر کہہ دیا ہاں سچ ہے۔ مگر یہ جو سختیاں

ہو رہی ہیں مثلاً نئے قانون جاری کئے جا رہے ہیں اور جرمانے ہو رہے ہیں۔ ان کا کیا علاج؟ ہماری طرف سے تو کچھ نہیں ہوتا مگر وہ بدستور ظلم کر رہے ہیں۔

گانڈھی جی کہنے لگے۔ تو کیا۔ انھیں کرنے دو۔ ہم نے اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ تم کو تو یہ دیکھنا ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا نہ کیا اور بھوک ہڑتال ختم کرنا چھتا تو ہی تو ایشور نے مجھے سزا دی۔ البتہ مجھے شکست نہیں ہوئی۔ ہمیشہ سے کہنا کہ اگر کوئی شخص اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے تو وہ مجھو مارا نہیں۔ اقرار کرنے میں ہی جیت ہو کرتی ہے۔

کستوربا کی موت کا درجہ کھتی ہو

سپتات

ستمبر ۱۹۳۹ء میں یورپ میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا اور ہندوستان کو بھی بغیر پوچھے اُس میں لپیٹ لیا گیا۔ تب سے ہی انڈین نیشنل کانگریس کو آزادی کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑی یہ وہ زمانہ تھا جب اکثر صوبوں میں کانگریسی وزارتیں کام کر رہی تھیں جب حالات دگرگوں ہوئے تو کانگریس کی کارکن کمیٹی کو وزارتوں کو مستعفی ہونے کا مشورہ دینا پڑا۔ فرانس کی شکست سے اور سنگاپور اور برما دشمنوں کے ہاتھ لگنے پر سارے ملک میں ہل چل مچ گئی گاندھی جی اس کے متعلق بہت کچھ لکھتے رہے اور کانگریس کی کارکن کمیٹی کے بہت سے جلسے جہاں گاندھی جی رہتے تھے وہاں ہوتے رہے۔

Stafford Cripps.

پر غور کیا اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ کر کے اس بات کا فیصلہ کیا اس وقت انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس نہ ہو سکا۔ اس کا انعقاد شکل تھا۔ کستور با اور گاندھی جی بعد چند اور ساتھیوں کے سیواگرام سے ممبئی روانہ ہو گئے اور ذہاں اگست ۱۹۴۲ء کے پہلے ہفتے پہنچ گئے۔ کسی کو یہ خیال نہ تھا کہ کستور با سیواگرام پھرنے آسکے گی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ایک اہم جلسہ ہوا اور ۸ اگست کی رات کو وہ مشہور رزولوشن پاس ہو گیا جسے ہندوستان چھوڑ دو کا نام دیا گیا تھا یہ بھی اعلان کیا گیا کہ گاندھی جی سیوا جی پارک میں اس رزولوشن پر مزید روشنی ڈالیں گے پندرہ علی الصبح ۹ اگست کو گاندھی جی کو گرفتار کر لیا گیا۔ کستور با چپ نہ رہی۔ اس نے فوراً ہی کہا کہ میں جلسہ میں گاندھی جی کے بجائے تقریر کروں گی۔ جب حکام کو اس بات کی خبر ہوئی تو دو پولیس افسر بر لاہوس میں تحقیقات کے لئے آئے۔ جب کستور بانے اُن سے کہا کہ میں تو ضرور اس کام کو انجام دوں گی تب افسروں نے کہا کہ حکومت آپ کو بھی گرفتار کرے گی۔ چنانچہ اُسے گرفتار کر لیا گیا اور آغا خاں کے محل میں لے جایا گیا جہاں گاندھی جی بھی نظر بند تھے۔ وہاں پہنچنے کے ایک ہفتہ کے اندر ہی ایک ایسا ہولناک واقعہ ہوا جس کا اثر گاندھی جی کے دل پر بڑا گہرا پڑا۔

جو لوگ سیواگرام میں آئے کستور ان کی دیکھ بھال کرتی رہتی تھی۔ گاندھی جی کمیٹی کے ممبروں کی تسلی نہ کر سکے۔ اس لئے انہوں نے سیاسی کاموں میں ہاتھ ڈالنا چھوڑ دیا وہ تو نہیں جانتے تھے مگر کیا کرتے۔ ملک کی رہنمائی کا بوجھ سر سے اتار ڈالا۔ اس وقت حکومت کے ساتھ کانگریس کا سمجھوتہ ہو سکتا تھا۔ مگر معاملہ بگڑ گیا، اپریل ۱۹۴۲ء میں سٹیفنڈ کرکس صاحب ہندوستان تشریف لے آئے۔ ان کی تجویزیں مندرجہ ذیل تھیں اور مسلم لیگ کے پسند نہ آئیں۔ بھلا کانگریس کو کیسے پسند آتیں؟ حالات بدتر ہو گئے لوگوں نے سمجھا کہ حکومت اپنے اختیارات کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ انٹرنیشنل چارٹر نے غلام مالک کو کچھ امید دلائی مگر ہندوستان کو وہاں سے بھی مایوسی ہوئی۔ ہمارے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ وہ تو ایک ڈھونگ تھا۔ حکومت برطانیہ کا رویہ وہی رہا جو پہلے تھا سمجھوتہ ہونے کی کوئی امید نہ تھی، گاندھی جی کو پھر بیچ میں کودنا پڑا وہ جانتے تھے کہ حکومت ان کی بات کو سنے مگر ہتھیار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔ جنگ عظیم نے ملک کو کمزور کر دیا تھا۔ لوگ بہت گھبرا گئے تھے۔ ایسے وقت میں کانگریس کی طرف سے گاندھی جی نے ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک شروع کی۔ کانگریس کی کارکن کمیٹی نے ہر پہلو

پہلے تو ان کے سکرٹری مہادیو ڈیسانی جی کا انتقال ہو گیا جسب معمول مہادیو ڈیسانی جی نے صبح $\frac{1}{4}$ بجے ۸/۱۵ اگست کو اپنے ناخن کاٹے اور بال وغیرہ درست کر کے اپنے کام کے لئے تیار ہوئے کچھ دیر سر وجہی نیند و اور دیگر حاضرین سے منہی مخول کی باتیں ہوتی رہیں۔ تھوڑے عرصہ بعد سر میں جکڑ آیا۔ ڈاکٹر بلایا مگر اس کے آنے سے پہلے ہی میں منٹ کے اندر ہی وہ رخت کر گئے۔ وہ کاغذات جن میں گاندھی جی سے ملاقاتوں کی گفتگو کے نوٹ تھے ویسے کے ویسے ہی رہ گئے۔

گاندھی جی اور کستوربا کو اس موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ وہ دونوں مہادیو ڈیسانی کو اپنا فرزند ہی سمجھتے تھے۔ ۱۹۱۷ء سے ساتھ ہی رہنے کی وجہ سے گاندھی جی اُسے بڑا پیار کرتے تھے اور کستوربا تو ان کے لئے والدہ کے بجائے مہادیو ڈیسانی کے مرنے کے بعد وہ بڑی اداں رہتی کیونکہ وہ گاندھی جی کے مشکل سے مشکل مسائل کا حل بتلایا کرتے اور ہر دم ان کے ساتھ رہتے تھے داسراؤں اور دیگر سیاست دانوں کے ساتھ جو گفتگو ہوتی ان کی حاضری میں ہوتی۔ جب گاندھی جی بھوک ہڑتال کرتے تب ڈیسانی جی ضرور ان کے پاس ہی رہا کرتے مگر کستوربا کے لئے تو ہمیشہ ان کی موجودگی حوصلہ افزا ہوا کرتی۔ اب کیا تھا وہ سہارا ہی جاتا رہا۔ کستوربا اگرچہ گاندھی جی کے پاس ہی تھی مگر مگر وہ خوش نہ تھی، ان کے گرفتار ہونے سے وہ بڑی گھبرا گئی۔ کیونکہ گاندھی جی نے اُسے یقین دلادیا تھا کہ اب کے وہ جلد گرفتار

نہ ہوں گے! اور وہ اُسے کہہ چکے تھے کہ حکومت کے ساتھ سمجھوتا کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی جائے گی۔ مگر حکومت ہند چونکہ جنگ میں فتح پر فتح پار ہی تھی، لاپرواہ سی ہو گئی! اور ملک میں امن قائم کرینی خواہشمند نہ تھی، بلکہ اُس نے اور بھی سختی شروع کر دی۔ ۱۹ اگست کو گرفتاریاں ہوئیں و کستوربا کے لئے نہایت ہی مایوس کن تھیں۔ ابھی بہادریو ڈیسیائی کی موت کا صدمہ تازہ ہی تھا کہ کستوربا کو مملوم ہوا کہ گاندھی جی فروری ۱۹۴۳ء سے پھر بھوک ہڑتال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ اُن کا پہلا موقعہ نہ تھا۔ کئی بار پہلے بھی بھوک ہڑتال کر چکے تھے اور ہر موقعہ پر کستوربا اُن کے پاس رہتی مگر اُس وقت گاندھی جی کی عمر ۷۳ سال کی ہو چکی تھی اور ان کا ایسا کرنا ناقابل برداشت تھا ایسی باتوں کا اثر انسان کے جسم پر تو ہوتا ہی ہے۔ مگر کستوربا دل میں یہ سوچتی تھی کہ گاندھی جی جیسے شخص جنہیں لاکھوں آدمی ایک بڑی مہستی اور نجات دہندہ خیال کرتے ہیں۔ ان کی طرف حکومت کا یہ رویہ کیا معنی رکھتا ہے؟

ایک دفعہ جب کستوربا سخت بیمار تھی تو نینڈت جواہر لعل نہرو کی کیا ہمشیرہ (کرشنا ہتھی سنگھ) نے "بیبی کرائسل" اخبار میں گاندھی جی کا ہڑتال بھوک ہڑتال کے متعلق ایک مضمون لکھا اور وہ یہ تھا۔

"جب گاندھی جی نے بھوک ہڑتال شروع کی تو کستوربا اُن کے پاس ہی رہا کرتی تھی وہ بڑی فکرمند رہتی کیونکہ وہ نہ

جانتی تھی کہ نتیجہ کیا ہو۔ ان دنوں ایک دفعہ مجھے بھی گاندھی جی سے ملنے کا اتفاق ہوا کستوریا بالکل نحیف اور کمزور ہو گئی تھی۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور چہرے سے رنجِ دالم کے آثار نمایاں تھے۔ پھر بھی وہ خوش معلوم ہوتی تھی اور دردِ نہاں کو ظاہر نہ ہونے دیتی تھی۔ جو اُسے جانتے تھے انہیں معلوم تھا کہ اس کی اندرونی حالت کیا ہے۔ بھوک ہڑتال کے دنوں میں کستوریا کا گاندھی کو اکیلا نہ چھوڑتی تھی اور تیمارداری میں لگی رہتی تھی۔ آخر گاندھی جی پنج گئے اور ہندوستانیوں کے دم میں دم آیا، ۲۱ دن کی مصیبت اور فکر نے کستوریا کی ہڈیاں توڑ ڈالیں اور اس کے بعد وہ بیمار رہنے لگی۔ اب یہ بہادر عورت جو ساٹھ سال سے اوپر ہوگی بیمار ہو کر بسترے پر پڑی ہے اور آغاخان محل کے رہنے والے راتوں جاگتے رہتے ہیں۔ اگرچہ کستوریا سخت بیمار ہے مگر پھر بھی قید میں ہے۔ بچنے کی کوئی امید نہیں۔ ایسی کمزوری کی حالت میں بھی اتنی بڑی زبردست حکومت اُس سے ڈرتی ہے اور اُسے رپا نہیں کرتی۔ البتہ یہ اچھی بات ہے کہ کستوریا کا گاندھی جی کے پاس بے اور وہ دن رات اس کی تیمارداری کرتے ہیں اور اپنی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ آخر چالیس برس اکٹھے گزارے ہیں اور دنوں ملک کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ ایسی موت شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔

خوشی محل (نیجباہی) لکھتے ہیں کہ جب گاندھی جی بھوک ہڑتال کر رہے تھے تو کستوربا اپنے قیدی ساتھیوں سے کہا کرتی تھی کہ گاندھی جی زندہ رہیں گے کیونکہ میں نے ان سے پہلے مرنا ہے۔ سیوگرام میں آشرم والوں سے بھی جو اکثر گاندھی جی کو ملنے آتے تھے کستوربا نے کہا تھا کہ میں آغاخان محل سے زندہ نہیں پوٹوں گی، بلکہ اس نے وصیت بھی کر دی تھی کہ میری فلاں چیز فلاں شخص کو دے دینا اور یہ خیال اس کا درست نکلا۔ وہ سچ فتح محل سے زندہ باہر نہ آئی، باج ۱۹۴۳ء میں بمبئی کی گورنمنٹ نے گاندھی جی کی بھوک ہڑتال ختم ہو جانے پر ایک بیان شائع کیا جس میں یہ اعلان کیا کہ کستوربا کا دل اس ہفتہ میٹھ گیا مگر بال بال بچ گئی۔ پھر ۴ دسمبر کو یہ بیان شائع کیا۔ کہ ایک ہفتہ میں کستوربا کا دل دو دفعہ بیٹھا۔ بیج تو گئی مگر کمزوری کا عالم ہے۔ حکومت ہند نے اس کے کہنے کے مطابق اس کے لڑکوں اور پوتوں اور پوتیوں کو اس سے ملنے کی اجازت دے دی ہے۔ جب کستوربا کی حالت بدتر ہوتی گئی تو سب نے کہا کہ اُسے راکر دینا چاہیے۔ چنانچہ ۵ دسمبر کو لارڈ سٹراٹو لگی نے پارلیمنٹ کے ہوس آولارڈز میں سوال کیا کہ کیا حکومت ہند کستوربا کو راکرے گی یا نہیں؟ تب ارل آومسٹرنے جو اس وقت

وزیر ہند کے زیر دست کام کرتے تھے کہا کہ کستور با کا دل بیٹھا جاتا ہے اور نومبر کے آخر میں تو دو دفعہ سخت تکلیف ہوئی، بعد میں کمزوری بہت ہو گئی مگر اُن کی حالت تشویشناک نہیں ہے۔ حکومت ہند نے اس پر غور و خوض کیا ہے مگر اس کا خیال ہے کہ کستور با کا ایسی حالت میں وہاں سے منتقل کیا جانا ٹھیک نہ ہو گا اور دل کی بیماری کی جانچ پڑتال کرنے والے دو لائق ڈاکٹر وہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں اور کستور با کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں۔

لارڈ سٹرا بولگی صاحب نے پوچھا، کیا جواب کا یہ مطلب ہے کہ کستور با کی صحت کی خاطر حکومت نے یہ سب کچھ کیا ہے اور اس میں عوام کے جذبات اور لوگوں کی بے چینی وغیرہ کا کوئی خیال نہیں کیا گیا۔

ارل نرسٹ نے پھر جواب میں کہا کہ کستور با کی صحت کے متعلق جو سوال کیا گیا تھا اُس کا جواب دیا جا چکا ہے۔ میرا یہ مطلب تھا کہ صحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے موجودہ حالت میں کستور با کا وہیں رہنا خصوصاً دل کی بیماری کے لائق معالج بھی وہاں موجود ہوں زیادہ مناسب خیال کیا گیا ہے۔

دوسرے دن سٹرا بولگی صاحب نے جو مزید دل کے نامہ تھے اُمیر علی صاحب وزیر ہند سے سوال کیا کہ کستور با کی صحت کے متعلق انہیں کیا معلوم ہے اور جب دوسری قیدی عورتوں کو صحت اچھی نہ

نہ ہونے کی وجہ سے رہا کر دیا گیا ہے تو کیا اُسے رہا نہ کیا جائیگا؟

ایمری صاحب نے جواب میں کہا

کستور باکا دل بہت کمزور ہے نومبر کے آخر میں دو دفعہ دل بیٹھ گیا پھر بھی ایک دفعہ دل کی تکلیف ہوئی۔ مگر اب وہ پہلے سے بہتر ہے۔ حکومت ہند نے اُسے رہا کرنے کے سوال پر غور کیا مگر وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ موجودہ حالات میں کستور باکا جہاں وہ ہے وہیں رہنا چاہیے ایک لائق ڈاکٹر بھی جو دل کی بیماری کو خوب سمجھتا ہے وہاں ہر وقت موجود رہتا ہے۔

سورن سن صاحب نے پھر دریافت کیا کہ آیا اس معاملہ میں خود کستور باکا سے پوچھا گیا ہے کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ ایمری صاحب نے جواب میں کہا کہ اس کی وہائی کا سوال اٹھایا گیا تھا۔ اسے نو احقین سے لٹنے کی اجازت بھی ہے۔ مگر ڈاکٹروں کے مشورہ سے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ وہ وہیں رہے جہاں پر ہے۔

سورن سن صاحب نے کہا۔ جو کچھ کیا گیا وہ تو مناسب تھا۔ اگر اب ڈاکٹروں کا مشورہ ہو اور کستور باکا خود بھی خواہش ظاہر کرے تو کیا حکومت اُسے رہا کرنے کے لئے طیار ہوگی؟

ایمری صاحب نے جواب میں کہا کہ یہ حکومت ہند جانے۔

کستور باکا کی حالت دن بدن بگڑتی ہی گئی۔ دسمبر کے آخر میں تو حالت بہت خراب ہو گئی۔ چنانچہ حکومت ہند نے ۲۹ دسمبر کو اعلان کیا کہ دل

کی بیماری بہت بڑھ گئی ہے اور عمر اور کمزوری کی وجہ سے حالت بڑی تشویشناک ہے۔

اس کے بعد حالت خراب ہوتی چلی گئی۔ گاندھی جی اور ان کے دوستوں نے اول درجہ کے ڈاکٹروں کو بلوایا مگر کچھ نہ ہو سکا۔ گاندھی جی کو بہت فکر ہوا۔ ان دنوں کستور بانی جے پر کاش نرائن کی بیوی شرمستی پر بھارتی کو بلا بھیجا اور کہا کہ لاہور کے پنڈت شو شراما کو بلا جاؤ۔ حکومت ہند نے لیت و لعلی کرنے کے بعد یہ درخواست مان لی۔ ۲۰ فروری کو حکومت نے پھر اعلان کیا کہ کستور بانی کی حالت بہت

ہی خراب ہے۔ گردے کچھ دنوں سے کام نہ کرتے تھے۔ دل کمزور ہو گیا تھا اور ساتھ ہی نونہا کے آثار شروع تھے۔ خون کا دباؤ ۱۵۰/۹۰ ڈگری ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر بھی گھبرا گئے اور مایوس ہو گئے۔ البتہ کستور بانی نے حوصلہ نہ ہارا۔ دوسرے دن اس دنیا سے رحلت کرنے کی تیاری کر لی۔ دو اپنی چھوڑ دی۔ بلکہ پانی تک نہ پیتی تھی۔ رات کے وقت گاندھی جی کو بلایا گیا، وہ بچارے اس کے سر ہانے جا گئے رہے۔ کستور بانی بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ کبھی کبھی کچھ کہتی در نہ سر ہلاتی۔ ۲۲ فروری دوپہر کو گنگا جل منہ میں ڈالنے کے کہا۔ کچھ آرام ہوا۔ اپنے سب سے نچھوٹے بیٹے دیو داس کو بلا بھیجا۔ وہ ایک دن پہلے

وہاں پہنچا تھا۔ اس سے کہا کہ میں اب جاری ہوں اور آج شورا تری ہے۔ اچھا دن ہے کسی دن تو جانا ہی ہے آج کیوں نہ جاؤں ؟ یہ کہہ کر اٹھ بیٹھی اور ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گئی اور کچھ دیر تک سر نیچے ڈال کر اونچی آواز سے پراعتن کرتی رہی اور کہنے لگی اے میرے ایشور تو ہی میرا سہارا ہے۔ مجھے بخشو اسی وقت ایک نئی دوا آغا خاں نخل میں پہنچی۔ حکومت نے خاص طور پر منگوا بھیجی تھی۔ مگر دوا دقت پر نہ آئی۔ ڈاکٹروں نے دوا نہ دی۔ اُن کا خیال تھا کہ گردوں کو اس دوا سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ گاندھی جی کی بھی یہی رائے تھی کہ نہ دینی چاہیے

پانچ بجے کے قریب دیو داس کی موجودگی میں کستور باڈرا مسکرانی اور لٹکے کو کچھ حوصلہ ہوا۔ اس نے ڈاکٹروں سے انجکشن دگوانے کا خیال کیا مگر ڈاکٹر اُمید چھوڑ چکے تھے۔ جب گاندھی جی کو پتہ لگا تو لٹکے سے کہا ”اب تم والدہ کو بچا نہیں سکتے چاہئے کیسی ہی دوا دو اگر تم نہ مانو گے تو خیر۔ مگر تمہارا خیال بالکل غلط ہے۔ تمہاری والدہ دو دنوں سے نہ دوا پیتی ہے اور نہ پانی۔ اس کا اب پر ماتما ہی مالک ہے۔ تم دخل دو گے تو بے سود ہوگا۔ میری رائے میں کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ چار چار گھنٹے بعد انجکشن سے اور تکلیف ہی ہوگی۔ تمہاری

والدہ تو اب مر رہی ہے۔ جب باپ بیٹے میں یہ باتیں ہو رہی تھیں تو گاندھی جی کو بلوایا گیا۔ انہوں نے کستوربا کو کندھے سے لگایا اور تسلی دینے کی کوشش کی۔ تب اُس نے گاندھی جی کو فسکار کیا اور سورج ڈوبنے سے پہلے تقریباً سات بج کے ۳۵ منٹ پر شور اتری کی شام کو پران تیاگ دیئے۔ سب لوگ جمع ہوئے اور اس کا دل پند گیت گایا اور سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ رات بھر رام نام اور گیتا کا پالٹھ ہوتا رہا۔ گاندھی جی بھی پرار تھنا اور بھجنوں میں شریک ہوئے اور اپنی پوتی کو جس کی والدہ گذر چلی تھی تسلی دیتے رہے۔ اُسے کستوربانے پالا تھا۔ گاندھی جی پوتی کو کستوربا کے جنم اور زندگی کے متعلق اور اس کے کا نامے سناتے رہے اور اس طرح اس کے دل کو ٹھنڈا کیا۔

کستوربا کے مرجانے کے بعد بھی مرکزی حکومت اُس سے خوف کھاتی تھی۔ اس کی لاش کو اس کے بیٹوں اور پوتوں کے حوالہ نہ کرتی تھی اور جیل سے باہر نہ لے جانے دیتی تھی۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ لاش لڑکوں کے سپرد کرنی چاہیے۔ دیو داس لاش کو جیل کے باہر لے جانا چاہتا تھا تا کہ پونہ یا بمبئی میں لے جا کر جلا یا جائے۔ جب حکومت نہ مانی تو لڑکے نے اس بات کی اجازت چاہی کہ گاندھی جی اور رشتہ دار اور دوست جلائے کے وقت حاضر ہو سکیں۔ مقامی حکومت نے حکومت ہند کے ساتھ مشورہ

کر کے دیو داس کی درخواست منظور کر لی، پونہ اور بمبئی کے دوستوں کو بھی اطلاع دی گئی۔ بدھ وار صبح کو ہی تقریباً ایک سو آدمی آغا خاں محل میں جمع ہوئے، اُن میں سری نواس شاستری، سر کلکار، ہتھی سنگھ اور ان کی بیوی۔ پران لال دیو کرن۔ تھیکر سے کی بیوی۔ متھرا داس تر کم جی (گانڈھی جی کے بھتیجے) لفٹنٹ کرنل بھنڈاری۔ لفٹنٹ کرنل شاہ۔ کرنل کار اور مہتہ صاحب جیسے شخص شامل تھے۔

گانڈھی جی نے ایک کھدر کی چادر اپنے ہاتھ سومتے ہوئے سوت کی بنوائی تھی اور وہ خاص طور پر کستور بانے خود کہہ کر منگوائی تھی تاکہ مرنے کے بعد اڑھے، وہ پہنائی گئی اور اس پر ایک نارنجی رنگ کی دوسری چادر اوڑھائی گئی اور سندھور پیشانی پر لگایا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کستور باسور ہی ہو۔ ارٹھی کو پھولوں سے سجایا گیا اور لاش آغا خاں محل کے احاطے میں جلانی گئی۔ یہ مقام جہاں مرحوم مہادیو ڈیسائی کو جلایا گیا تھا اس سے کوئی سو گز کے فاصلہ پر ہے ارٹھی کو سب لو حقیقین اور لڑکوں نے اُٹھایا۔ وہی برہمن جو مہادیو ڈیسائی کے وقت ادائیگی رسوم کے لئے موجود تھا اسی نے یہ کام بھی کیا۔ البتہ رسم بالکل مختصر اور سادہ تھی۔

سوامی آند۔ کنو گانڈھی۔ شانتی کمار۔ مرارجی۔ بکل نرائن بجلج اور دیگر دوستوں نے آگ وغیرہ درست کی اور دیو داس گانڈھی

نے آگ لگانے کی آخری رسم ادا کی۔ جب لاش کو چتا پر رکھا گیا تو گاندھی جی کے آنسو نکلے اور وہ اپنی شال سے آنسو پونچھنے لگے۔ ورنہ وہ روئے اور چلائے نہیں اور صبر سے کھڑے رہے اور حاضرین سے باتیں کرتے رہے۔

جب سب طیارے ہو چکی تو برہمن سے گاندھی جی نے اشارہ کیا کہ میں کچھ پراگھنا کروں گا۔ تب قرآن انجیل اور بھگوت گیتا سے کچھ پڑھا گیا اور آشرم والیوں نے بھجن بھی گائے۔

ڈاکٹر گلڈر نے زرتشتی متبرک کتابوں سے کچھ پڑھا اور میرا بن نے زیور سے کچھ تلاوت کی۔ پھر گاندھی جی نے برہمن سے کہا کہ اب آپ جو مرضی ہے کرو، چٹائے اوپر صندل اور گھی ڈالا گیا۔ دیو داں تین دفعہ چٹا کے گرد گھوما اور گوبند گوبند کہتے ہوئے آگ لگائی۔

ہوا مشرق کی طرف سے چل رہی تھی نصف گھنٹہ میں جسم جل کر راکھ ہو گیا۔ گاندھی اور دوسرے سب لوگ ایک درخت کے نیچے بیٹھے رہے اور دیکھتے رہے۔ گاندھی جی ۲۲ بجے تک وہاں ہی رہی اور ۵ بجے گھر لوٹے، پنڈت مدن موہن مالوی جی کے کہنے سے وہ مشت خاک ۲۸ فروری کو دریائے گنگا کے سپرد کر دی گئی مئی ۱۹۴۴ء کے پہلے ہفتہ گاندھی جی کو صحت خراب ہونے کی وجہ سے بعد اُن کے ساتھیوں کے رہا کر دیا گیا۔ وہ کچھ دن سیواگرام لوٹنے سے پہلے بمبئی اور پونہ میں رہے ان کیلئے اکیلے ستوربا کے

بغیر آشرم میں آنا نہایت ہی مشکل کام تھا۔ دو اکتوبر کو اسی لاکھ روپے کی بھیلی کستور باکی یا دیگر قسام کرنے کے لئے گاندھی جی کو پیش کی گئی۔

خط و کتابت چند انکشافات

جب گاندھی جی آغا خاں محل میں نظر بند تھے اس وقت کستوریا
کا چل بنا ایک رقت بھرا واقعہ تھا۔

حکومت کے نمائندے زوروں سے کہہ رہے تھے کہ کستوریا
جب بیمار تھی تو علاج میں کوئی کمی نہ رکھی گئی، ڈاکٹر بھی تھے اور
گھر کے لوگ بھی موجود تھے۔ ایسا کہنے سے یہ مراد تھی کہ لوگوں میں
بے چینی نہ پھیلے۔

گاندھی جی کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر ڈنسامتہ اور پنڈت شو شرام
(لاہور کے وید) کو وقت پر آنے کی اجازت نہ ملی اور اٹھ سفیوں
کے بعد جب اجازت دی بھی گئی تو وہ بھی بے دلی سے اگر وقت

پر اجازت مل جاتی تو ممکن تھا کہ کستور باکی حالت ایسی تشویش ناک نہ ہوتی۔ گاندھی جی یہ بھی کہتے ہیں کہ سچے ست گرہی ہونے کی حیثیت میں انہوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ کستور باگی رہائی کے لئے حکومت کو کہا جائے۔ البتہ اگر حکومت خود رہا کر دیتی تو اس کا اثر کستور باکے دل پر اچھا ہوتا مگر بد قسمتی سے حکومت نے اس بات کا خیال نہ کیا۔ مفصلہ ذیل خط و کتابت معاملہ کو واضح کرتی ہے اور بہت سی باتوں کا انکشاف کرتی ہے۔

مہلک بیماری کے آثار

ڈاکٹر گلڈراور سوشیلانیر نے کرنل بھنڈاری کو ۱۲ مارچ

۱۹۴۳ء والے دن آفا خاں محل سے یہ خط لکھا۔

پارے کرنل بھنڈاری صاحب۔

آج صبح جو آپ سے بات چیت ہوئی اس کے متعلق ہم یہ باتیں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔

کستور با کو گلے کی بیماری وغیرہ کی شکایت ہے۔ ان کے دل میں بھی درد ہے اور دل کی دھڑکن ۸۰ فی منٹ کی رفتار سے ہے۔ آپ نے دیکھا ہی ہوگا کہ صبح کو مریضہ کی آنکھوں میں سوزش

اور چہرہ میں سوجن آجاتی ہے۔ بیماری کا اثر اس کے دماغ پر پور ہا ہے۔ اگرچہ گاندھی جی کی موجودگی سے کچھ افاقہ ہو جاتا ہے۔ ہماری رائے میں اگر ایک دایا ان کے پاس ہر وقت موجود رہے جو اس کی بولی سمجھتی ہو اور اُسے اچھی طرح جانتی ہو تو بڑا ہی اچھا ہوگا۔ گاندھی جی کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ اہل خود راہی ایک مہینے تک اپنی صحت کا خیال رکھنا ہے۔ اگر کونو کو ان کے پاس رہنے دیا جائے تو بہت اچھا ہو۔ ایک تو کونو کو گاندھی جی کے ساتھ بڑا پار ہے اور دوسرے وہ ان کی ضروریات کو خوب سمجھتا ہے۔ اگر حکومت کو کوئی اعتراض نہ ہو تو وہ حاضر ہے اور جب تک حکومت چاہے وہ گاندھی جی کے پاس رہ سکتا ہے۔

(دستخط) ایم ڈی۔ ڈی گلڈر
اور سوشیلانیر

گاندھی جی کا خط گورنمنٹ بمبئی کے نام

گاندھی جی نے سکریٹری بمبئی گورنمنٹ کے نام ۸ نومبر ۱۹۴۲ء کو ایک خط لکھا جس میں سے چند اقتباس ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔
وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے ساتھیوں کو میری وجہ سے اور میرے ساتھ رہنے سے مزید تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ صرف ڈاکٹر سوشیلانیر کو ہی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ اوروں کو بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر

گلدھر صاحب کی بیاریوی اور ان کی صاحبزادی اُن سے ملاقات نہیں کر سکتی
 منو کو اپنے والد اور اپنی بہنوں سے ملنے کی اجازت نہیں اور نہ
 ہی کستور با اپنے لڑکوں یا پوتوں اور پوتیوں سے مل سکتی ہے، البتہ یہ
 درست ہے کہ منو کے لئے باہر آنے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں اور
 رام داس گاندھی جی کے لڑکے کو بھی اپنی والدہ سے ملنے کی اجازت ہے
 مگر ہر ایک قیدی کو ملنے جلنے کا حق دیا گیا ہے۔ جلا میرے لئے تو حکومت
 کی خاص ناراہنگی کی وجہ سے اگر رکاوٹیں بھی ہوں تو دوسری بات ہے
 مگر اوروں پر ایسی بندشیں کیوں لگائی جاتیں ہیں؟ کیا حکومت کو
 اپنے اضرروں پر اعتماد نہیں؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب
 یا انسپیکٹر جنرل صاحب کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ تاروں وغیرہ کو
 ہم تک پہنچائیں اور قیدیوں کی ملاقاتوں وغیرہ کا بندوبست کر سکیں
 آپ جلد ہی کوئی بندوبست کر دیں۔

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

گاندھی جی کا خط حکومت ہند کے نام

گاندھی جی نے ایڈیشنل سکرٹری حکومت ہند ہوم ڈیپارٹمنٹ
نیو دہلی کے نام ایک خط، ۲ جنوری ۱۹۴۲ء کو لکھا جو ذیل میں درج
کیا جاتا ہے۔

جناب عالی

کچھ دن ہوئے کہ تو رہانے انسپیکٹر جنرل صاحب سے کہا اور
کرمل شاہ سے بھی کہا کہ ہونٹے ڈاکٹر ڈنشاہتہ کو اس کے علاج کے لئے
بلا یا جائے۔ مگر اس کے متعلق کچھ نہ ہوا۔ اب کہ تو باہر آ رہے اور
بٹھے کہتی ہے کہ آپ حکومت ہند کو لکھیں میں بھی درخواست کرنا ہوں
کہ ڈاکٹر ہتہ کو جلد ہی طلب کیا جائے۔ کہ تو رہانے اپنے لڑکے کو بھی اور
مجھ سے بھی کہا ہے کہ کوئی آریہ ویدک ڈاکٹر بھی بلا یا جائے۔ میرے
خیال میں اب انسپیکٹر جنرل صاحب کو اختیار ہونا چاہئے کہ وہ
اس کا انتظام کر سکیں

ابھی تک میری اس درخواست کا کہ کتو کو جو ایک دن چھوڑ کر توبہ
کو دیکھنے آتا ہے ہر روز آنے کی اور اس کے پاس رہنے کی اور
تیار داری کرنے کی اجازت کا کوئی جواب نہیں آیا۔

مریضہ کی حالت ابھی نہیں اور رات بھ تجارتی کرنابنٹل
ہے۔ کتو تو یہ ذمہ اچھی طرح سے کر سکتا ہے۔ پہلے بھی اُسے یہ کام کیا

ہے۔ اور وہ تو گانا بجانا بھی خوب جانتا ہے اور بھجن گاکر کستوربا کی طبیعت خوش کر سکتا ہے۔ آپ جلدی ہماری اس تکلیف کو رفع کرنے کا انتظام کریں۔ اسے نہایت ضروری خیال کریں سپرنٹنڈنٹ صاحب کہتے ہیں کہ جب ملاقاتیں آئیں تو ایک دیا کانی ہے پہلے تو ایک سے زیادہ دیاں موجود رہا کرتی تھیں اور سپرنٹنڈنٹ صاحب موقع کے مطابق اجازت دے دیا کرتے تھے۔ پھر میں نے انلیکٹر صاحب سے کہا۔ انہوں نے کہا کہ دیا کے علاوہ ایک ڈاکٹر بھر پاس رہنا چاہیے۔ مریضہ کی حالت کا خیال نہ کرتے ہوئے ایسا نہ کیا گیا ہے۔ کستوربا کے پاس ایک دو آدمیوں کا ہونا کافی نہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ حاضرین کی تعداد پر کوئی بندش نہ لگائی جائے۔ مجھے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ مریضہ کو جو سہولتیں دی جائیں۔ کوئی خاص مہربانی نہیں۔ مثلاً تیار داروں پر بندش خصوصاً جب ملاقاتی آتے جاتے ہوں۔ میرے تینوں بیٹے آج مل پونے میں ہیں، کل میرا اعلیٰ کو (جو ایک طرح ہم سے جدا ہے) والدہ سے ملنے کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ انسپکٹر جنرل صاحب کے پاس اس کے متعلق کوئی اطلاع نہ تھی۔ کستوربا اس سے ملنا ضرور چاہتی تھی۔

ایک اور شکل ہے جب کبھی کوئی ملاقاتی آنا چاہتا ہے تو اس کے پہلے حکومت بمبئی کے دفتر میں درخواست کرنی ہوتی ہے اور وہاں

سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ اس میں ایک تو وہی ہو جاتی ہے؟ دوسرے
 دل شکنی بھی ہوتی ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ سپرٹنڈنٹ صاحب اور
 انسپیکٹر جنرل صاحب غور و کچھ نہیں کر سکتے۔ بغیر بیسی کو لکھنا ہوتا ہے۔
 مجھے یہ معلوم ہے کہ کستور با حکومت کے ہاتھوں میں ہے اور
 مجھے اس کے خاوند ہونے کی حیثیت میں مداخلت کا کوئی حق نہیں
 مگر چونکہ حکومت نے خود اقرار کیا ہے کہ کستور یا کو اس کے فائدے
 کو محفوظ رکھتے ہوئے میرے ساتھ ہی رہنے دیا جاتا ہے اور اس
 لئے رہا نہیں کیا جاتا تو مجھے اپنی بیوی کی خواہش کو حکومت کے
 کانوں تک پہنچانے میں کوئی ہرج معلوم نہیں ہوتا۔
 ایسی تشویش ناک حالت میں حکومت کو میری بات سننی چاہیے
 اگر حکومت میرا کہنا نہ مانے تو کستور با کے دل پر اثر ہوتا ہے۔
 و تحفظ (ایم۔ کے گاندھی)

بیسی کی حکومت کے نام خط

۲۷ جنوری ۱۹۲۴ء

بخدمت سکرٹری صاحب حکومت بیسی (ہوم ڈیپارٹمنٹ)

جناب عالی

آپ کی خدمت میں حکومت ہند کے نام جو خط گیا اس کی نقل
 ارسال ہے، اگر حکومت بیسی کچھ کر سکتی ہو تو اس خط کو حکومت ہند

کو نہ بھیجا جائے، چونکہ معاملہ بہت ہی اہم ہے اور تکلیف فوراً
رفع ہونی چاہئے اس لئے مرکزی حکومت سے ٹیلیفون پر بات چیت
کی جا سکتی ہے۔

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

گاندھی جی کی طرف سے یاد دہانی

قیدیوں کی کلب۔
۲۱ جنوری ۱۹۴۴ء
”۲۱ جنوری کو حکومت ہند کی خدمت کی میں ایک ضروری خط
روانہ کیا گیا۔ مگر ابھی تک جواب نہیں ملا۔ مریضہ کی حالت اچھی
نہیں۔ بیمار دار تھک گئے ہیں۔ صرف چار مخصوصوں کو اجازت ہر
دو ایک رات اور دو دوسری رات، مریضہ بہت گھبراتی
ہے اور کہتی ہے کہ ڈاکٹر ڈنٹا کب آوے گا۔ جلدی جوابیں
اگر ممکن ہو تو کل ہی جواب لکھ دیں

(۱) کیا کٹو کو سارا وقت پاس رہنے کی اجازت ہے؟

(۲) کیا ڈاکٹر ڈنٹا صاحب آرہے ہیں؟

(۳) جب ملاقاتی آئیں تو کیا بیمار داروں کی تعداد زیادہ نہیں ہو سکتی؟

آخر یہ نہ کہنا پڑے کہ علاج بروقت نہ ہو سکا۔

(دستخط ایم۔ کے گاندھی)

حکومت کی طرف سے خیر جو کمپ کے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ۳۱ جنوری

شام کو ۴ بجے دیا
حکومت جاننا چاہتی ہے کہ کیا کستور باکسی خاص ڈاکٹر کو بلانا
چاہتی ہے اور وہ بھی ڈاکٹر ڈنشاہتہ کے علاوہ ؟
مکاندھی جی نے مختصر سا جواب لکھا اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کو
دیا۔ وہ دن (سوم وار) مکاندھی جی کی خاموشی کا دن تھا۔ جواب
یہ تھا۔

کستور باکسی خاص ڈاکٹر کو نہیں بلانا چاہتی۔ میرے لڑکے
دیو داس نے شری رامی (لاہور) کا نام لیا تھا۔ کوئی جی ہو وہ
ڈنشاہی کے علاوہ ہی ہوگا۔ اور وہ جی تب ہی جب خیر لڈر
کچھ نہ کر سکے گا۔ کستور بانے اکثر خواہش ظاہر کی ہے کہ آریہ ویدک ڈاکٹر
کو طلب کیا جائے۔ اگر اجازت ملے تو وہ خصوصی نہ ہونی چاہئے۔ کستور با
دل چھوڑ رہی ہے اور مجھے ہر پہلو سے معاملہ کو دیکھنا ہے۔
اس کے دل کی تسفی ہونی اس حالت میں بڑی ضروری ہے
و تحفظ (ایم۔ کے گاندھی)

کستور با آہستہ آہستہ کمزور ہوتی گئی

قیدیوں کا کیمپ

۳۱ جنوری ۱۹۴۷ء

پیارے کرنل صاحب

آپ کو معلوم ہی ہے کہ کستور یا دن بدن کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔ کل رات بالکل نہ سوئی اور صبح تو ختم ہونے لگی تھی۔ بلے سانس لینے لگی، نبض بھی آہستہ آہستہ چلتی تھی ایک منٹ میں سو کی رفتار سے اور رنگ بھی بدل رہا تھا۔ بس منٹ کے بعد ہوش میں آئی۔ اب بارہ بجے ہیں اور وہ بڑا گھبراتا ہر چھاتی میں درد کی شکایت کرتی ہے اور بیٹھ میں بھی درد ہے۔

اگر ڈاکٹر جو راج مہتہ جی کو جو سنٹرل جیل میں ہیں اور ڈاکٹر بی سی رائے کو کلکتے سے طلب کر لیا جائے تو اچھا ہوگا۔ ڈاکٹروں نے پہلے بھی کستور با کا علاج کیا تھا اور اُسے ان پر اعتبار بھی ہے۔ یہ بتا دینا چاہیے کہ مریضہ کی حالت خراب ہے اور اگر ان ڈاکٹروں کے بلانے میں دیر نہ کی جائے تو اچھا ہوگا۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چونکہ مریضہ کو دن رات دیکھنا ہوتا ہے۔ ایک دایا کافی نہیں اور کستور با چاہتی ہے کہ کتو اور ڈاکٹر ڈنشا مہتہ بھی اُسکے پاس ہوں۔ دستخط ایس نیئر ایم ڈی ڈی کلڈر

نوٹ :- گاندھی جی کے خون کا دباؤ آج صبح ۱۱۰، ۲۰۶ تھا۔

زندگی اور موت کے درمیان

سکرٹری صاحب حکومت بمبئی کے نام خط -

قیدیوں کا کپ - ۳ فروری ۱۹۴۴ء

جناب عالی

کتوربانے مجھ سے دریافت کیا کہ ڈاکٹر ڈنشا کب آ رہے ہیں اور ویدجی کب آئیں گے اور دو آئی دیں گے۔ میں نے اُسے کہا کہ کوشش تو کر رہا ہوں کہ دونو آجائیں مگر آخر ہم قید میں ہیں اور من مانی بات نہیں کر سکتے۔

کتوربا مجھ سے بار بار یہ ہی کہتی ہے کہ جلدی کرو۔ کل رات بھی بے آرام رہی۔ یہ بات اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ ڈاکٹر ڈنشا صاحب اور ویدجی لاکھنؤ والوں کو آنے کی اجازت دیں۔ ویدجی کو تو آنے میں دقت لگے گا مگر ڈاکٹر ڈنشا تو آج ہی آ سکتے ہیں۔ بھلا یہ دیر کیوں ہو رہی ہے؟ مریضہ تو موت کے کنارے کھڑی ہے۔ اگر وقت پر

علاج ہو گیا تو شاید بچ جائے۔ مریضہ کا علاج حکومت کے اہم کمر
اہم معاملات کے مقابلہ پر زیادہ ضروری ہے۔
دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

حکومت کی طرف سے رعایتیں

نمبر ایس۔ ڈی ۶ - ۲۰۲۵ (ہوم ڈیپارٹمنٹ) بمبئی

۳۱ جنوری ۱۹۴۴ء

از طرف سکریٹری صاحب حکومت بمبئی (ہوم ڈیپارٹمنٹ)

جناب ایم کے گاندھی صاحب

”آپ کے ۳۱ جنوری کے خط کے جواب میں تین سوالوں کے

متعلق عرض ہے۔

(۱) حکومت کو منظور ہے کہ کنو کنٹور با کے پاس اس کی
تہارداری کے لئے رہے۔ شرط یہ ہے کہ اسے دوسرے قیدیوں
کی طرح کیمپ میں ہی رہنا ہوگا۔ اس کے علاوہ حکومت ادوری قسم
کی مدد نہیں دے سکتی اتنا ہی کافی ہوگا۔

(۲) حکومت کا فیصلہ ہے کہ باہر سے کوئی ڈاکٹر طلب نہ
کیا جائے۔ حکومت کا ڈاکٹر البتہ اگر کہے کہ کسی اور ڈاکٹر کی ضرورت
ہے تو دوسری بات ہے۔ ڈاکٹر ڈنشا صاحب کا طلب کرنا بشرط
ضرورت حکومت کے ڈاکٹر کے اختیار میں ہے۔

(۳) کستور با نزدیکی رشتہ داروں سے مل سکتی ہے۔ آپ بھی ایسی ملاقاتوں کے وقت حاضر رہ سکتے ہیں۔ دوسروں کے لئے وہاں رہنا مناسب نہیں تا وقتیکہ کستور با کی حالت زیادہ خراب نہ ہو یہ تو ظاہر ہی ہے کہ انسپیکٹر جنرل (جیل) صاحب کے صرف ایک شخص کے لئے ملاقات کے وقت حاضر رہنے کا حکم دیا ہے اور اگر ضروری ہو تو ڈاکٹر صاحب بھی آ سکتے ہیں۔ فی الحال حکومت کا خیال ہے کہ یہ کافی ہوگا۔ البتہ انسپیکٹر جنرل صاحب مرخصی کی حالت کے لحاظ سے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

(دستخط) ایچ آئنٹر سکرٹری حکومت بمبئی

خط از طرف گاندھی جی

سند یافتہ ڈاکٹروں کے علاوہ

کسی دوسرے ڈاکٹر کو بانے کی ذمہ داری
”فوری“

قیدیوں کا کیمپ الہ فروری ۱۹۴۶ء

سند یافتہ ڈاکٹر کے علاوہ کسی اور ڈاکٹر کا طلب کرنا میری ذمہ داری پر ہوگا۔ اگر اس کا علاج کرتے کرتے کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے گی تو حکومت بری الزمہ ہوگی۔ میں کسی دیدیا حکیم کے مشورہ کو بغیر

سوچے سمجھے عمل میں نہیں لاؤں گا۔ اگر علاج شروع کیا اور کچھ فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹری علاج کی طرف رجوع ہوں گا۔
 دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

گاندھی جی لیست و عمل کرنے کے شاکی ہیں
 خط انسپیکٹر جنرل (جیل) صاحب کے نام۔

۱۲ فروری ۱۹۴۷ء

قیدیوں کا کمپ
 جناب عالی

میں نے کل آپ سے کہا تھا کہ کستور باکی حالت رات بھر خراب رہی۔ ڈاکٹر نیر صاحبہ تو ڈرگٹس اور انہوں نے ڈاکٹر گلڈر کو جگایا مجھے بھی ایسا معلوم ہوا کہ کستور باجیل دے گی۔ ڈاکٹر بھلا کیا کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر نیر نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو جگایا اور انہوں نے ویدراج کو ٹیلیفون کیا۔ ایک بجے رات کا وقت تھا اگر ویدراج وہاں ہوتے تو کچھ کرتے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ حکومت کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ البتہ آپ نے کہا تھا کہ ویدراج رات کو طلب کیا جاسکتا ہے میں نے یہ بھی جتلا دیا تھا کہ اس میں بڑا خطرہ ہے مگر آپ نے کہا کہ جب اجازت نہ ہو تو کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ جب ویدراج کو اس شرط پر بلا یا گیا کہ اگر ان کے علاج سے کچھ ہرج ہرج ہو تو اس کی ذمہ داری میرے سر پر ہوگی۔ تو

حکومت کو کیا؟ ویدراج چاہے جتنی دیر ٹہرے ہم نے تو مریضہ کی حالت کا خیال کرنا تھا۔ آپ نے میری بات نہ مانی۔ میں نے ویدراج سے کہا کہ آپ اپنی موٹر میں رات آرام کیجئے اور کمپ کے باہر ٹہریئے۔ جب ضرورت ہوگی آپ کو بلا لیا جائے گا۔ ویدراج جی مان گئے۔ رات جب ان کو بلا یا تو انہوں نے دوا دی اور آرام ہو گیا۔ ابھی خطرہ تو ہے۔ اب میری دوبارہ درخواست ہے کہ آپ اجازت دے دیں تاکہ کل کی رات کی طرح نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ مریضہ کے متعلق اس قسم کی رکاوٹیں اٹھالی جائیں۔ ڈاکٹر مہتہ اور ویدراج کو آنے میں دیر لگ جاتی ہے۔ بہت سی وقت ضائع ہو جاتا ہے، اور مریضہ کے اچھے ہونے میں توقف ہوتا ہے۔

اُمید ہے آپ ویدراج صاحب کو کمپ میں رہنے کی اجازت دلا دیں گے تاکہ رات کے وقت اگر مریضہ کی حالت اچھی نہ ہو تو وہ پاس موجود ہوں، مریضہ کو اس کی بید ضرورت ہے

دستخط (ایم۔ کے۔ گاندھی)

انسپیکٹر جنرل ریل کے نام خط

آخری اپیل

قیدیوں کا کیمپ - ۶ فروری ۱۹۴۲ء

نوٹ :- یہ خط ۴ فروری ۱۹۴۲ء کے خط کے ساتھ منسلک ہے۔

جب میں نے ویدراج کے متعلق اجازت مانگی اور ان کے توسط سے علاج کے بدل دینے کی ذمہ داری اپنے سر پر لی اور حکومت کو بری الذمہ ٹھہرایا تو میں نے خیال کیا کہ حکومت ویدراج کو سب قسم کی سہولتیں دے گی تاکہ وہ علاج بخوبی کر سکیں۔ دن کی نسبت رات کو مریضہ کو بڑی بے چینی رہتی ہے اور رات کو ہی بیمار داروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ویدراج کو موجودہ حالات میں علاج کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔

چونکہ وہ کیمپ کے باہر دروازہ پر موٹر میں ہی سوتے ہیں اور اب تین راتوں سے برابر وہاں ہی سو رہے ہیں، ہر رات کو ان کو باہر پڑتا ہے۔ یہ اچھی بات نہیں۔ انھیں بچہ تکلیف ہوتی ہے اور وہ مریضہ کی خاطر سب کچھ برداشت کرنے میں، مگر میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔

بلکہ سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ان کے ملازموں کو بھی جگانا

ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ بھی جاگ اُٹتے ہیں۔ کبھی کبھی درد نفع جگانا پڑ جاتا ہے۔

مثلاً رات کتوربا کو زوز کا پنجہ آرایا۔ دید راج ۱۰۔۱۱ بجے کپ کو باہر گئے اور ۱۲ بجے پھر بلانا پڑا۔ مجھے اُن سے کہنا پڑا کہ آپ جلوی چلے جائیں کیونکہ وہ تو ٹہرنا چاہتے تھے۔ مگر سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ان کے ملازم اُن کا انتظار کرتے رہتے اور جاتے رہتے شاید صبح تک جاؤنا پڑتا۔ بجلا میں ایسا کیوں کرتا؟ دوسری بیوی کی جان بچانے کا سوال تھا۔ دوسرا طریقہ کیوں نہ اختیار کیا جائے۔

دید راج کا خیال ہے کہ مریضہ کے پاس انھیں ساری رات ٹہرنا چاہیے، دوا بدلتی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر نیر صاحبہ اور ڈاکٹر کلڈ تو ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ وہ میرے دوست ہیں اور مریضہ کے لئے سب کچھ کرتے ہیں، مگر جیسا میں پہلے لکھ چکا ہوں جب علاج ہی دوسرا ہو تو وہ کیا کریں جو کچھ اب ہو رہا ہے وہ تو دید راج اور مریضہ اور ڈاکٹروں کے ساتھ بے انسانی کرنا ہے اس لئے میں تین جوئیز پیش کرتا ہوں جن میں سے کسی ایک پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

(۱) دید راج کو کنب کے اندر دن اور رات کو بھی رہنے کی اجازت ہو اور وہ جب تک مناسب خیال کریں کپ کے اندر رہیں اور مریضہ کی حالت کو دیکھتے رہیں۔

(۲) اگر حکومت ایسا نہیں کر سکتی تو مریضہ کو کچھ عرصہ کے لئے علاج کی خاطر رہا کر دیا جائے تاکہ وہ ویدراج کے علاج سے پورا فائدہ اٹھا سکے۔

(۳) اگر مذکورہ بالا دونوں تجویزیں حکومت کو منظور نہ ہوں تو مجھے مریضہ کی دیکھ بھال کرنے سے سبک دوش کیا جاوے۔ اگر مجھے خاوند ہونے کی حیثیت میں اتنا بھی حق حاصل نہیں کہ اپنی بیوی کا خاطر خواہ معالجہ کرا سکوں تو مجھے کسی اور جگہ تبدیل کیا جاوے۔ میں جہاں مجھے حکومت بھیجنا چاہتی ہے جاتے کے لئے تیار ہوں۔ میں مریضہ کے دکھ کو برداشت کرنے کے ناقابل ہوں۔

حکومت نے ڈاکٹر مہتہ کو مریضہ کے کہنے پر علاج کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ وہ دوائی نہیں دیتے۔ ان کا علاج بالش وغیرہ پر مشتمل ہے وہ بھی مفید ہے۔ کستور باکو دوائی کی ضرورت ہے۔ دوائی تو یا ڈاکٹر دے سکتا ہے یا ویدراج۔ ڈاکٹری علاج تو بند ہے۔

اگر شام تک اس خط کا تسانی بخشس جواب نہ آیا تو مجھ کو ویدراج کا علاج بھی مجبوراً بند کرنا پڑے گا۔ اگر پورا علاج نہیں کیا جاسکتا تو اس سے بہتر ہے کہ علاج باطل بند ہی کر دیا جائے۔ یہ خط مریضہ کے سرمانے بیٹھے رات کو دو بجے لکھ رہا ہوں

کتوربا جب رسی زندگی اور موت کے درمیان ٹک رہی ہے
اُسے اس خط کی کچھ خبر نہیں اور اُسے اب ہوش بھی نہیں ہے
(تمتھا۔ ایم۔ کے گاندھی)

خطرہ جس سے بچاؤ ہو سکتا تھا

بخدمت جناب انسپکٹر جنرل (جیل) صاحب

پونہ ۱۸۔ فروری ۱۹۴۴ء

”جناب عالی۔ دیدراج شو شرا جی بڑے افسوس سے مجھے
اطلاع دیتے ہیں کہ باوجود انتہائی کوشش کرنے کے انھیں
کتوربا کو شفا دینے کی کوئی امید معلوم نہیں ہوتی۔ آخر یہ
آزمانا تھا کہ آیور ویدک علاج کچھ نتیجہ خیز ہوگا۔ مگر نہ ہوا۔
اس لئے میں نے ڈاکٹر گلڈر اور ڈاکٹر نیر سے کہہ دیا ہے
کہ وہ علاج شروع کریں۔ ڈاکٹر مہتہ صاحب نے بھی علاج
بند نہیں کیا، وہ بھی اپنا علاج جاری رکھیں گے میں کہنا
چاہتا ہوں کہ دیدراج جی نے بڑی تن دہی اور توجہ سے
مرض کا علاج کیا اور اگر وہ علاج جاری رکھتے تو میں متراض
نہ ہوتا۔ مگر جب ان کا آخری نسخہ کامیاب نہ ہوا تو انہوں
نے علاج نہ کرنا چاہا۔ ڈاکٹر گلڈر اور ڈاکٹر نیر دونوں کا خیال
ہے کہ دیدراج کو بھی علاج کرنے دے تو کوئی ہرج واقعہ نہ

موتی لگا کر ایسا ہوا تو ویدراج جی کورات کو آنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر میری درخواست ویدراج جی کے متعلق بروقت منظور کر لی جاتی تو مریضہ کی یہ حالت نہ ہوتی جواب ہے۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ ایشور کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا مگر انسان کو نتیجہ سے ہی اس کی مرضی کا اندازہ لگ سکتا ہے۔

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

گاندھی جی کی طرف سے جلانے کے متعلق ہدایا

انسپیکٹر جنرل (جیل) صاحب کو ۲۲ فروری ۱۹۴۷ء شام ۸ بجے کے قریب مفصلہ ذیل جواب گاندھی جی نے لکھوایا۔ حکومت نے انسپیکٹر جنرل صاحب سے دریافت کیا تھا کہ کتوربا کے جلانے کے متعلق گاندھی جی کیا جانتے ہیں؟

جواب :-

- ۱۔ لاش میرے لڑکوں اور رشتہ داروں کو دی جائے اور حکومت جلانے وغیرہ کی رسم میں کوئی مداخلت نہ کرے سب کو آنے کی اجازت ہو
- ۲۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو جس طرح مہا دیو ڈیسائی کے مرنے

پر ہوا تھا، ویسا ہو یعنی اگر حکومت صرف رشتہ داروں کو حاضر ہونے کی اجازت دے، تو ساتھ ہی دوستوں کو بھی اجازت ہو۔ کیونکہ میرے لئے دونوں ایک جیسے ہیں۔

۳۔ اگر حکومت کو یہ بات بھی منظور نہ ہو تو جو لوگ کستور باکے پاس ہوا کرتے تھے وہ روانہ کر دئے جائیں گے اور جو لوگ کلب میں ہیں صرف وہ ہی جلانے کی رسم کے وقت موجود ہوں۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں اپنی بیوی کی سخت علالت کے معاملہ کو سیاسی رنگ نہیں دینا چاہتا۔ مگر میری خواہش یہ ہی رہی ہے کہ جو کچھ حکومت کرے وہ خوش اسلوبی سے کرے۔ افسوس ہے کہ میری خواہش بر نہ آسکی۔ اب جب کستور باہر چکی ہے تو حکومت کو چاہیے کہ جلانے کی رسم خوش اسلوبی سے ادا ہو۔

خط بنام ایڈیشنل سکرٹری حکومت ہند نیو دہلی

ہٹلر صاحب کی کج رفتاری

گانڈھی جی ازالہ چاہتے ہیں

قیدیوں کا کلب ۲۰ مارچ ۱۹۴۷ء

مجھے اپنی فوت شدہ بیوی کے متعلق بڑے افسوس اور تامل سے

لکھنا پڑتا ہے۔ مگر سچائی کی خاطر یہ خط تحریر کر رہا ہوں ڈو پاج کو اخباروں کے بیان کے مطابق بٹلر صاحب نے پارلیمنٹ میں کہا کہ کستوربا کو ہر طرح کی ڈاکٹری مدد اور توجہ ملی۔ تیمارداری خاطر خواہ تھی اور رشتہ دار بھی موجود تھے۔

البتہ باقاعدہ تیمارداری تھی اور سب نے حتیٰ امکان مدد بھی دی۔ جو کستوربانے مانگا یا جیسا میں نے چاہا ویسا ہی کیا گیا۔ میں ان سب کا شکر گزار ہوں۔ مگر یہ سب کچھ وقت پر نہ ہوا اور ویدراج کو آنے کی اجازت اس وقت ملی جب میں نے جیل کے حکام کو کہا کہ اگر رضیہ جیسا وہ چاہتی ہیں مدد نہ ملی اور میری مرضی پوری نہ ہوئی تو میں اس حالت میں غلجہ کی اختیار کروں گا۔ میں کس لئے اس کی مصیبت کو دیکھوں؟ جب میں نے انسپکٹر جنرل صاحب کو زور سے لکھا تو ویدراج کو آنے کی اجازت ملی۔

(خط کی نقل ارسال ہے)

۲۷ جنوری ۱۹۴۴ء کو میں نے ڈاکٹر دنشا کو بلانے کے لئے درخواست دی۔ اس سے ایک ماہ پیشتر مرحومہ خود انسپکٹر جنرل صاحب سے ڈاکٹر دنشا کے لئے کہہ چکی تھی۔ مگر ہ فروری کو ڈاکٹر دنشا صاحب آئے۔

ڈاکٹر نیر اور ڈاکٹر گلڈر دونوں نے ۳۱ جنوری کو لکھ کر درخواست دی کہ کلکتہ کے ڈاکٹر بی۔ سی رائے سے مشورہ ضروری ہے۔

حکومت نے کچھ پرواہ نہ کی اور بعد میں جب نوابی یاد دہانی
بھی کرائی گئی تو کچھ اثر نہ ہوا۔

بٹلر صاحب نے یہ بھی کہا۔

”کستور با کی رہائی کے لئے کوئی درخواست نہیں آئی اور
حکومت ہند کا خیال ہے کہ مرلیضہ کو آغا خاں محل سے باہر
لے جانا اس کے اور اس کے لواحقین کے لئے مفید ثابت نہ ہوگا۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ رہائی کے لئے کوئی درخواست
نہیں کی گئی اور نہ ہی خود کستور با نے اور نہ ہی میں نے رہائی
کے لئے کچھ کہا۔ ایسا کرنا سستی گرہی قیدی کے لئے اصولاً درست
نہ تھا، مگر حکومت کو چاہئے تھا کہ اسے اور مجھے اور ہماری لڑکوں
سے پوچھتے کہ کیا کستور با کو رہا کر دیں اگر حکومت ایسا کرتی تو
مرلیضہ کے دل پر اس کا اچھا اثر پڑتا۔ مگر بد قسمتی سے حکومت نے
اس بات کا خیال نہیں کیا۔

جلانے کی رسم کے متعلق بٹلر صاحب نے فرمایا۔ جہاں تک مجھ
معلوم ہے گاندھی جی کی درخواست پر جلانے کی رسم آغا خاں
محل میں دوستوں اور لواحقین کی موجودگی میں ادا کی گئی۔

میری درخواست جو میں نے ۲۲ فروری کو ۸ بجے کے قریب
انسپیکٹر جنرل (جیل) کو لکھوائی ذیل میں درج کی جاتی ہے۔
(۱) لاش میرے لڑکوں اور لواحقین کو دی جائے۔ اس سے

یہ مراد ہے کہ جلانے کی رسم سب کے سامنے اور بغیر حکومت کی مداخلت کے ادا کی جائے گی۔

(۳) اگر یہ ممکن نہ ہو تو جلانے کی رسم اسی طرح سے ہو جس طرح مہا دیو ڈیسائی کے وقت ہوئی اور اگر حکومت صرف رشتہ داروں کو حاضر ہونے کی اجازت دے گی تو میں حاضر نہ ہو سکیں گا جب تک کہ دوستوں کو بھی جو رشتہ داروں کے برابر ہی ہیں اجازت نہ ہوگی

(۳) اگر حکومت اس بات کو بھی نہ مانے تو وہ لوگ جو کستوربا سے ملاقات کرتے رہے ہیں میں ان کو کہوں گا کہ آپ چلے جاؤ اور صرف کپ میں جو قیدی ہیں وہ موجود رہیں۔

معلوم رہے کہ میں اس معاملہ کو سیاسی رنگ نہیں دینا چاہتا۔ نہ ہی اپنی بیوی کی سخت علالت سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ مگر میں ضرور چاہتا ہوں کہ حکومت سب کام کو خوش اسلوبی سے انجام دے۔ مجھے ڈر ہے کہ حکومت نے ایسا نہیں کیا۔ اب جب کستوربا مر چکی ہے تو جلانے کی رسم بڑی سنجیدگی سے ادا ہونی چاہیے۔ حکومت بھی اس بات کا اقرار کرے گی کہ میں نے اپنی بیوی کی لمبی علالت کو اور ان مشکلات کو جو مجھے ہوئیں کوئی سیاسی رنگ نہیں دیا۔ اور نہ ہی میرا ایسا کرنے کا ارادہ ہے۔ مگر کستوربا کی یادگار میں اور انصاف اور

سجانی کی خاطر حکومت کو اپنے ماضی کے سلوک کا ازالہ کرنا چاہئے
 اگر اخبار کی رپورٹ غلط ہے یا حکومت اس معاملہ کے متعلق
 اور رائے رکھتی ہے تو وہ رائے ظاہر ہونی چاہئے، اور اگر میری
 شکایت درست ہے تو جو کچھ حکومت کے نمائندے نے امریکہ
 میں کہا ہے، اس کی تصحیح کر دینی چاہئے
 دستخط (ایم۔ کے۔ گاندھی)

حکومت کی طرف سے جواب

نمبر ۲۳/۳ ایم۔ اے۔ حکومت ہند ہوم ڈیپارٹمنٹ
 از طرف ایڈیشنل سیکریٹری حکومت ہند ہوم ڈیپارٹمنٹ نیو دہلی۔
 جناب ایم۔ کے۔ گاندھی صاحب

نیو دہلی ۲۱ مارچ ۱۹۴۴ء

آپ کے ۲ مارچ کے خط کے جواب میں جو آپ نے بٹر
 صاحب کے ایک سوال کے جواب کے متعلق (جو پارلیمنٹ
 میں ۲ مارچ ۱۹۴۴ء کو کیا گیا) لکھا تھا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں
 کہ حکومت ہند کے متعلق آپ کا خیال کہ وہ کستور بالی عدالت
 میں خصوصی علاج سے قاصر رہی افسوسناک ہے حکومت ہند
 نے جو کچھ ممکن تھا وہ کیا اور حکومت کے ڈاکٹروں نے مشورہ
 دیا اس پر عمل کیا گیا اور باہر کے ڈاکٹروں کے بلانے میں بھی

تال نہ ہوا۔ خصوصاً جب ڈاکٹروں نے مناسب خیال کیا۔

۲۸ جنوری کو حکومت کو اطلاع ہوئی کہ کستور بانے ڈاکٹر
ڈنشاہتہ کو بلایا ہے اور ۳۱ جنوری کو انہیں اس بات کی خبر
ہوئی کہ ڈاکٹر گلڈر نے دوسرے ڈاکٹروں کو مشورہ کے لئے
طلب کیا ہے۔ یکم فروری کو حکومت بمبئی کو صاف طور پر اطلاع
دے دی گئی کہ اگر مزید ڈاکٹری امداد کی ضرورت ہو یا دوسرے
ڈاکٹروں سے مشورہ کرنا ہو تو حکومت کے ڈاکٹروں کے مشورہ
سے اجازت دے دی جائے اگر ڈاکٹر ڈنشاہتہ صاحب کو جلدی
طلب نہ کیا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ کرنل بھنڈاری اور ڈاکٹر گلڈر
دونوں کی رائے تھی کہ ضرورت نہیں۔ جب انہوں نے اپنی رائے
کو بدلا اسی وقت حکومت نے ڈاکٹر ڈنشاہتہ کو طلب کر لیا۔

آپ کا ۲۷ جنوری والا خط جو حکومت ہند کو یکم فروری کو
بلا اُس میں کستور بانے آئیور ویدک ڈاکٹر کو بلانے کی خواہش ظاہر
کی مگر نام کا ذکر نہ کیا اور ویدراج شرما صاحب کے متعلق ۱۹
فروری کو حکومت کو اطلاع ملی۔ ۲۲ گھنٹے کے اندر اندر اجازت
دے دی گئی اور جب حکومت ہند کو یہ پتہ لگا کہ وید صاحب
کے ٹہرنے کا آغاز محل میں تسلی بخش انتظام نہیں ہو تو فوراً
انتظام کیا گیا اور انہیں وہاں ٹہرایا گیا۔

ایسی حالت میں حکومت کا خیال ہے کہ اُس نے حتی المقدور

آپ کی بیوی کے علاج میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا اور اسب کام آپ کی مرضی کے مطابق کیا گیا۔

(۲) رہا سوال رہا کرنے کا حکومت کا ابھی تک یہ ہی خیال ہے کہ اس کے متعلق بہترین انتظام کیا گیا۔ ۲۴ جنوری کو حکومت کو اس بات کی اطلاع ملی کہ آپ کے صاحبزادے دیو داس نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ اُسے تھوڑے عرصہ کے لئے رہا کیا جائے مگر اس نے کہا کہ میں آغا خاں محل سے تب تک نہیں جاؤں گی جب تک گاندھی جی وہاں ہیں۔ حکومت نے اس گفتگو پر کوئی فیصلہ نہ کیا کیوں کہ یہ شخص تھی۔ مگر حکومت نے اس کا اندازہ لگایا کہ حکومت درستی پر تھی۔

امریکہ میں جو بیان شائع ہوا اور جسے سرگر جاسنکر راج پی کے سر تھوپا گیا۔ اُس کے متعلق آئین ساز اسمبلی میں جو سوال جواب ہوئے آپ نے اخباروں میں دیکھ لئے ہوں گے۔

(۳) جلانے کے متعلق جو کچھ ہوا حکومت کا خیال ہے کہ آپ کی مرضی سے ہوا۔ حکومت نے اس معاملہ کی دریافت کی اور پتہ چلا کہ آپ کے خط میں جو دو باتیں لکھی تھیں وہ تقریباً ایک ہی معنی رکھتی تھیں۔

ایسے حالات کے ہوتے ہوئے بلر صاحب نے جو کچھ پارلمنٹ میں کہا وہ غلط نہ تھا
دستخط (آرٹھائن ہم)

گانڈھی جی کا جواب اب جواب

ایڈیشنل سکریٹری حکومت ہند ہوم ڈیپارٹمنٹ نیو دہلی کے

نام خط -

قیدیوں کا کمپ

یکم اپریل ۱۹۴۴ء

جناب عالی

آپ کا خط مورخہ ۲۱ مارچ مجھے ۲۷ مارچ کو ملا۔
مزید ڈاکٹری امداد کے متعلق میں کہنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر
ڈنشا مہتہ کے متعلق جو درخواست کستور بانے کی تھی وہ کرنل
اڈوانی سے زبانی کی گئی تھی۔ جب بار بار کہنے سے کچھ نہ ہوا
تو تحریری درخواست میری طرف سے کی گئی اور وہ خط حکومت
ہند کی خدمت میں ۲۷ جنوری کو روانہ کیا گیا۔

۳۱ جنوری کو میں نے حکومت بمبئی کو یاد دہانی کی اور
ڈاکٹر نیر اور ڈاکٹر گلڈر نے بھی انسپیکٹر جنرل (جیل) کو لکھا
۳ فروری کو میں نے پھر حکومت بمبئی کو لکھا۔ جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ ڈاکٹر ڈنشا مہتہ ۵ فروری کو آئے میری پہلی درخواست
اور ان کے آنے میں چھ ہفتوں کا عرصہ گزر گیا۔ اور جب جاڑ
مل بھی گئی پھر بھی ان کے آنے جانے پر بندشیں لگادی گئیں

کہ فلاں وقت آئیں اور اتنا وقت صرف کریں۔ آہستہ آہستہ اس قسم کی بندشیں بھی پہلے کم اور پھر دور کر دی گئیں۔

آپ کے خط میں ڈاکٹر گلڈر کی طرف اشارہ ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو خط دکھلایا۔ انہوں نے حکومت کو ایک خط لکھا ہے وہ جوف میں روانہ کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر گلڈر نے کوئی رائے نہ دی تھی۔ بہر حال یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ڈاکٹر ڈنٹا صاحب کو چھ ہفتے گزر جانے کے بعد اجازت ملی۔ انگریزی ڈاکٹر کے علاوہ ویدجی کو بلانے کے متعلق میرے لٹکے نے پچھلے دسمبر جب وہ یہاں آیا تھا تو انسپیکٹر جنرل (جیل) سے کہا تھا جب کرنل بھنڈاری نے مجھ سے یہ بات کہی کہ آپ کے لٹکے نے ویدکا علاج کرانے کے لئے مجھ سے کہا تھا تو میں نے کہا کہ حکومت کو اجازت دینی چاہیے تھی۔ ابھی میرے لٹکے کی درخواست حکومت کے سامنے پیش ہی ہو رہی تھی کہ کستور باکی حالت خراب ہونے لگی اور اس نے خود ویدجی کو بلانے کے لئے کہا اور کئی بار انسپیکٹر جنرل اور کرنل شاہ سے بھی کہا مگر کچھ نہ ہوا۔

مئی ۱۹۳۱ء میں نے ۲ جنوری کو حکومت ہند کو لکھا۔ ۳۱ جنوری کو سپرٹنڈنٹ صاحب نے حکومت کی طرف سے دریافت کیا کہ کستور باکس وید کو بلانا چاہتی ہے اور میں نے تحریری جواب دیا کیونکہ وہ میری خاموشی کا دن تھا۔

چونکہ کوئی فیصلہ نہ کیا گیا اور دیر کرنے سے مریضہ کی حالت اور بھی خراب ہو رہی تھی میں نے ایک ضروری خط ۳ فروری کو حکومت بمبئی کو لکھا۔ ۱۱ فروری کو ایک مقامی وید کو روانہ کیا گیا اور ۱۲ فروری کو ویدراج شرما جی آئے۔ اس طرح وید کو بلانے کے لئے پہلی درخواست کرنے اور اس کے آنے میں آٹھ ہفتے گزر گئے، ویدراج شرما جی کے آنے سے پیشتر ہی میں نے ایک تحریر دی جس سے حکومت کو ہر ذمہ داری سے آزاد کر دیا گیا یعنی ویدراج جی جس طرح مرضی سے علاج کریں۔ اب امید کی جاتی تھی کہ ویدراج کو علاج کرنے کے لئے سب قسم کی سہولتیں دی جائیں گی اور وہ جیسا مناسب خیال کریں گے ویسا کریں گے۔ مگر ان کے راستہ میں بھی روڑا اٹکا یا گیا، ان روکا دوٹوں کا ذکر میری ۴ مارچ والی چھٹی میں کیا گیا ہے۔ اس وقت مریضہ کو بڑی تکلیف تھی اور اس کی حالت بڑی سرعت سے بگڑ رہی تھی اور ہر قسم کی دیری مریضہ کے لئے مہلک تھی۔ چنانچہ جو تکلیف مجھے اور کستوربا کو ہوئی جا ہے وہ حکومت کی وجہ سے ہوئی یا حکومت کے ڈاکٹروں کی وجہ سے ہوئی اس کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔

حکومت تحریری درخواستوں کا جواب تک نہ دیتی تھی جب ڈاکٹر نیر اور ڈاکٹر گلڈر نے زبانی یا دہانی بھی کی اور

کہا کہ ڈاکسٹری - سی رائے کو بلانا چاہیے اور اس سے
مشورہ کرنا چاہیے تو حکومت نے کچھ جواب نہ دیا
اس کے علاوہ ہوم ممبر نے اسمبلی میں کہا کہ سند یافتہ
دایاں موجود رہتی تھیں جب میں نے ۲۰ مارچ کے خط میں
لکھا کہ ایسا نہیں تھا تو جواب نڈارد۔

امر واقعہ تو یہ ہے کہ سند یافتہ دایاں بالکل نہیں
آئیں۔ کستوربانے جن دایوں کو بلایا وہ بھی دیر میں آئیں۔
اور کٹو تو بہت دیر بعد آیا۔

مجھے اُمید ہے کہ ٹنڈے دل سے ان واقعات پر غور
کرنے سے اور خطوں کی دیکھ بھال سے (تفصیلی ارسال میں)
آپ کو یقین ہو جائے گا کہ حکومت ہند کا یہ کہنا کہ حتی المقدور
کستوربانے کے علاج میں کوئی کمی نہیں رہی اور میری مرضی کی مطابقت
سب کچھ ہوتا رہا درست نہیں، اور شکر صاحب کا کہنا بھی
درست نہ تھا۔ انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ معالجہ میں کوئی
کسر باقی نہ رہی اور باقاعدہ توجہ کی گئی۔ یہاں تک کہ صرف
دیکھ بھال کرنے والے ہی نہ تھے بلکہ خاندان کے لوگ بھی
موجود رہے۔

حکومت بمبئی کا یہ بیان کہ کوئی باہر کا ڈاکٹر نہیں آسکتا
جب تک حکومت کا اپنا ڈاکٹر اس بات کا فیصلہ نہ کرے

کہ معالجہ میں امداد کی ضرورت ہے۔ اس بات کا منافی ہے کہ حکومت نے حتی المقدور کوشش کی۔

باقی رہا رہائی کا سوال اور حکومت ہند کا یہ کہنا کہ میرے لڑکے کی اپنی والدہ کے ساتھ جو محرمانہ گفتگو ہوئی اور حکومت کے کانوں تک پہنچی وہ قانوناً جائز نہ تھی ان سے میرا کیا واسطہ حکومت جانے اور اس کا کام۔ البتہ اگر حکومت خود کستوریا کو رہا کر دیتی تو وہ بری الزمہ ہو جاتی۔ اور پھر میں فیصلہ کرتا کہ حکومت کو کیا مناسب ہوگا۔ جلانے کے متعلق ملاحظہ ہو میرا خط مورخہ ۴ مارچ جس کو میں نے حکومت کو اپنی طرف سے انسپیکٹر جنرل (جیل) صاحب کو لکھوایا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ پھر بھی حکومت کہتی ہے کہ میں نے جو لکھا ویسا ہی کیا گیا۔ حکومت اس معاملہ میں بالکل غلطی پر ہے۔ اگر سب بات مجھ پر چھوڑ دی گئی ہوتی تو جلا میں کیسے جیل کے احاطہ میں اپنی پیاری بیوی کو جلانے دیتا۔ مرگھٹ میں کیوں جلانی نہ جاتی۔

ایسے ذاتی معاملات پر حکومت کو بار بار لکھنا بے اچھا نہیں لگتا۔ مگر اپنی بیوی کی یادگار میں جس نے میرے ساتھ ۲۲ سال گزارے مجھے لکھنا ہی پڑتا ہے۔ حکومت خود ہی خیال کر سکتی ہے کہ جب کستوریا کا یہ حال ہوا تو اور قیدیوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔
 دستخط (ایم۔ کے۔ گاندھی)

ڈاکٹر گلدر غلطی کو درست کرتے ہیں

یہ وہ خط ہے جو ڈاکٹر گلدر نے حکومت ہند کو لکھا اور جس کی طرف گاندھی جی نے اپنے خط میں اشارہ کیا تھا۔
جناب عالی۔

آپ کے خط مورخہ ۲۱ مارچ میں جو آپ نے گاندھی جی کو لکھا۔ یوں لکھا ہے

”۲۸ جنوری کو انھیں پتا لگا کہ کستوربانے ڈاکٹر ڈنشاہتہ کو یاد کیا ہے۔ اگر ڈاکٹر ڈنشا کو پہلے نہ بلایا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ کرنل بھنڈاری اور ڈاکٹر گلدر دونوں کی رائے تھی کہ کسی اور ڈاکٹر کو بلانا بے سود ہوگا۔ مگر جب حکومت کے ڈاکٹروں نے اپنی رائے کو بدلا تو ڈاکٹر ڈنشا کو طلب کیا گیا“

کرنل بھنڈاری کے ساتھ میرا نام بھی شامل کر دینا درست نہیں۔ کرنل بھنڈاری اور کرنل شاہ حکومت کی طرف سے مقرر ہوئے تھے۔ پچھلے دسمبر جب کرنل اڈوالی صاحب جو کرنل بھنڈاری کی جگہ کام کر رہے تھے ایک دن شام کو گشت لگا رہے تھے تو کستوربانے اُن سے کہا کہ ڈاکٹر ڈنشاہتہ کو بلو ایجئے۔ تب کرنل اڈوالی نے میری رائے پوچھی کہ کیا کیا جائے۔ میں نے چونکہ ڈاکٹر تیرے مشورہ نہ کیا تھا اور نہ ہی کستوربا سے اس معاملہ کے متعلق

کوئی ذکر ہوا تھا اور نہ گاندھی جی سے میں نے کرنل اڈوانی سے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا۔ دوسرے دن صبح کو جب وہ گشت پر آئے تو میں نے اُن سے کہا کہ ڈاکٹر ڈنٹا مہتہ کو بلانا چاہیے۔ یہ دسمبر کی بات ہے۔ جنوری کا مہینہ ہی گزر گیا پھر بھی ڈاکٹر ڈنٹا مہتہ صاحب کو آنے کی اجازت نہ ملی۔ ۳۱ جنوری کو میں نے اور ڈاکٹر نیر نے جو خط لکھا اس میں یاد دہانی کی گئی۔ اسی خط میں ہم نے ڈاکٹر بی سی رائے سے متعلق بھی لکھا مگر کسی نے کوئی پروا نہ کی۔ زبانی بھی کہا۔ مگر کسی نے نہ سنا۔ ایک اور بھی غلطی ہوئی۔ کہا گیا ہے کہ سند یافتہ دایاں موجود تھیں۔ البتہ جے پرکاشس نرائن کی بیوی اور کنوے آنے سے پیشتر جب تیمارداری کرنی مشکل ہو گئی تو ایک آیا کام کرتی تھی جو پاگل خانے میں کام کیا کرتی تھی۔ ہفتہ بھر کام کرنے کے بعد وہ بھی سپرنٹنڈنٹ صاحب سے پوچھ کر چلی گئی۔

دستخط (ایم ڈی ڈی گلڈر)

کرنل بھنڈاری صاحب روشنی ڈالیں

خط بنام ایڈیشنل سکرٹری صاحب حکومت ہند
ہوم ڈیپارٹمنٹ نیو دہلی۔

قیدیوں کا کلب - ۱۲/۱۲/۱۹۴۴ء

جناب کرنل بھنڈاری صاحب

حکومت ہند کے خط مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۴۴ء میں یوں

لکھا ہے۔

”۲۸ جنوری کو ہمیں خبر ملی کہ کستوربانے ڈاکٹر ڈنشاہتہ کو بلا بھیجا ہے ہم نے ڈاکٹر ڈنشا کو پہلے طلب نہ کیا کیونکہ کرنل بھنڈاری اور ڈاکٹر گلڈرڈونو کی رائے تھی کہ ان کا آنا ضروری نہیں۔ مگر جب حکومت کے ڈاکٹروں نے اپنی رائے کو بدلا۔ حکومت نے ڈاکٹر ڈنشا کو فوراً بلا لیا۔“

جلانے کے انتظام کے متعلق ہم نے سمجھا کہ آپ کی مرضی کے مطابق سب کام ہوئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کی چھٹی میں جو دو باتیں لکھی ہوئی تھیں ان کے مطابق سب کچھ ہوا۔ ڈاکٹر گلڈرڈ صاحب نے تو کوئی ایسی رائے ہی نہ دی تھی۔ اور میں نے کبھی نہیں کہا کہ میرے لئے اس میں کوئی فرق نہیں۔ یعنی جلانے کی رسم جیل کے احاطہ میں ہو یا مرگھٹ میں ہو۔

مہربانی کر کے اس معاملہ پر روشنی ڈالئے
 دستخط (ایم۔ کے۔ گاندھی)

کونسل آؤسٹریٹ میں ایک حیرت انگیز بیان
 خط بنام ایڈیشنل سکرٹری حکومت ہند۔ نیو دہلی

قیدیوں کا کمپ

۲ اپریل ۱۹۴۴ء

جناب عالی۔

حکومت ہند کو جو خط میں نے کل لکھا اسی سلسلہ میں یہ خط بھی
 ہے۔ جب میں خط سپرنٹنڈنٹ صاحب کو دے چکا تو میں نے اخبار
 ”ہندوستان ٹائمز“ میں یہ حیرت انگیز بیان پڑھا
 (دیکھو اخبار مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۴۴ء)

”نئی دہلی، بروز بدھ وار

آج کونسل آؤسٹریٹ میں لالہ رام سرن داس صاحب نے
 پوچھا کہ کیا مہاتما گاندھی نے حکومت ہند سے پنڈت شو شرباجی مشہور
 ویدکواپنی بیوی کے علاج کے لئے بلانے کی درخواست کی تھی اور
 کب کی تھی۔ ”ہوم سکرٹری صاحب نے جواب میں کہا کہ پہلی

درخواست اُن کے بلانے کے متعلق ۹ فروری کو آئی اور ۹ فروری کو منظور کر دی گئی۔ پنڈت شرما جی میرے خیال میں ایک دو دن بعد علاج کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حکومت کے پاس شو شرما جی کا نام ۳۱ جنوری کو پیش کیا گیا۔ ۹ فروری کو نہیں۔ میری کل کی چٹھی کو واضح ہو جائے گا کہ پہلے پہل دسمبر ۱۹۴۳ء میں وید جی کو بلانے کی تجویز ہوئی آپ مہربانی کر کے اس بیان کی تصحیح کر دیجئے۔
دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

حکومت ہند کا بیان

از طرف ایڈیشنل سکرٹری حکومت ہند نو دہلی۔

مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۴۷ء

ایم کے گاندھی کے نام

جناب عالی

آپ کی چٹھی مورخہ ۲۰ مارچ کے متعلق مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ حکومت ہند کو ۲۲ دسمبر کو اطلاع موصول ہوئی کہ آپ نے کنو اور جے پرکاش زائن کی بیوی کو طلب کیا ہے۔ اسی دن حکومت بہار کو تار دیا گیا کہ بند و بست کرے بیسی کی حکومت کو یہی اطلاع دی گئی کہ اگر مزید تیار داری کی ضرورت ہو تو سند یافتہ دایاں ہیا

کی جائیں ۲۴ دسمبر کو بہار کی حکومت کا جواب آیا ہے کہ جے پرکاش
 ٹرائن کی بیوی پونہ جاسکتی ہے۔ اسی وقت حکومت بمبئی کو اطلاع
 دی گئی کہ وہ حکومت بہار کے ساتھ اس معاملہ پر خط و کتابت کرے۔
 اور سند یافتہ دایوں کا بند و بست کرے۔ ۳ جنوری کو حکومت
 ہند کو اطلاع ملی کہ بند و بست کیا جا رہا ہے اور دایاں اور جے پرکاش
 ٹرائن کی بیوی روانہ ہو گئی ہیں۔ بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ کونو آغا خاں
 محل میں آتے جاتے ہیں اور حکومت ہند کے پاس ۲۷ جنوری کو
 ان کے محل میں قیام کرنے کے متعلق درخواست بھی ملی۔ چنانچہ ۲۹
 جنوری کو اجازت بھی دے دی گئی۔ اس سے پہلے بھی حکومت بمبئی
 نے کونو دہاں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔

ایسے حالات میں حکومت ہند کا خیال ہے کہ آئین ساز کونسل میں
 جو جواب دیا گیا اور جس کی طرف آپ کا اشارہ ہے وہ درست تھا۔
 حکومت بمبئی نے گل واقعات ہمیں لکھ دئے ہیں۔ انہیں آپ کی
 خط و کتابت یا حکومت ہند کی تحریروں کا کوئی علم نہ تھا۔ آپ کی
 بیوی نے کہا تھا کہ سند یافتہ دایوں کی بہ نسبت ایک آیا بہتر ہوگی
 چنانچہ اس کی مرضی کے مطابق کیا گیا۔ اس بات کے شائع کرنے کی
 حکومت کو ضرورت نہیں۔

دستخط (آر۔ ٹائٹن ہم)

پبلک کی تسلی کی ضرورت

ایڈیشنل سکرٹری کی حکومت ہند کے نام

قیدیوں کا کپ

۱۳ اپریل ۱۹۴۷ء

جناب عالی

آپ کا ۳۰ مارچ کا خط مجھے ۶ اپریل کو ملا۔ مرکزی حکومت کو پورے حالات سے واقفیت نہ تھی یہ تو ثابت ہی ہے۔ سند یافتہ دایوں کے متعلق میں نے حکومت ہند کی توجہ اس کے بیان کی طرف دلوانی جس میں کہا گیا تھا کہ دایاں کچھ وقت کے لئے رکھی گئیں۔ کستور بانے "آیا" کو سند یافتہ دایاں پر ترجیح دی۔ ایون کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ حکومت کا وہ بیان پبلک کے لکھنا ہر جانا چاہئے۔

جو اور باتیں میں نے یکم اپریل کی چٹھی میں تحریر کی ہیں ان کا جواب بھی لازمی ہے۔

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

آخری لفظ

از طرف سر رچرڈ ٹائٹن ہام صاحب۔ ایڈیٹل سکرٹری حکومت ہند
 جناب ایم۔ کے گاندھی صاحب
 حکومت ہند نے آپکی ۲۰ و ۳۰ اپریل کی چٹھیاں پڑھیں
 سے پڑھیں۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو آپ کی شکایتیں سچا
 ہیں۔ حتی المقدور حکومت نے آپ کی درخواستوں کو منظور کیا
 اور جو کچھ ممکن تھا وہ کیا۔ مگر آپ کے دل پر صدمہ ہونے کی وجہ
 سے آپ کو اس بات کا احساس نہیں۔ مزید خط و کتابت کرنے سے
 کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

دستخط (آر۔ ٹائٹن ہام)

سوم پبکاشن سائینس پرنٹر و پبلشر نے مکنٹائل پریس لاہور میں چھپوا کر
 برائے لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور کیلئے شائع کیا۔

